الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- -	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے کیونکہ اطلاع اور وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کرلیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری مراسم (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک هفته وار مصور رساله

نمبر ۳ و ۴ — کلکته : جمعه ۱ - و ۸ - محرم ۱۳۴۶ هجري — جلد ۱

Calcutta : Friday, 1 & 8. July 1927.

فهرست

پنجاب هائي کورٹ کا ایک فیصله	۱
مذاکرۂ علمیه	
انسان کي پیدائش کا اولین مقام	۳
طالیق یا دراز قد آدمي	۵
مطبوعات جدیده	
انساني قابلیت کا مقیاس	۶
برید فرنگ	
فرانس کي اولوالعزمي کي قرباني	۹
سنه ۲۷ - میں ۲۵ - پر ایک نظر	
دیس بندهو چترنجن داس	۱۱
سیر في الارض	
ایک سیاح کے تاثرات	۱۳
برید شرق	
مکتوب قسطنطنیه	۱۴
عراق	۱۶
فلسطین	۱۷
شام	۱۸
مصر	۱۹
آثار عتیقه	
قدیم... کے آثار	۲۰
برید فرنگ (بقیه)	
مکتوب فرانس	۲۳
مقالات	
اسلام اور نیشنلزم	۲۵

پنجاب هائیکورٹ کا ایک فیصله

کیا هندوستان میں دلازار اور نفرت انگیز مذهبي حملوں کي روک کیلیے کوئي قانون نهیں هے ؟

مولانا ابوالکلام نے حسب ذیل تحریر بعض اخبارات میں بغرض اشاعت بهیجي هے :

جناب من ! بکثرت لوگوں نے بذریعه خطوط اور تار دریافت کیا هے که " رنگیلا رسول " نامي کتاب کي اپیل کے فیصله سے جو صورت حال پیدا هوگئي هے ' اسکي نسبت میري راے کیا هے ؟ میں چاهتا هوں مندرجه ذیل سطور اس بارے میں شائع کردي جائیں :

میرے خیال میں بلاشبه اس فیصله سے وقت کا ایک نهایت ضروري سوال پیدا هو گیا هے - وه صرف مسلمانوں هي کیلیے نهیں بلکه اُن تمام لوگوں کیلیے قابل غور هے جو چاهتے هیں که ملک کي اخلاقي اور دماغي فضا شائسته اور پاک رهے ' اور لوگ قلم و زبان کي گندگیوں سے آلوده نهوں - هندوستان جیسے مختلف المذاهب ملک میں تو صلح و امن کا قیام بهي بهت کچهه اسي پر موقوف هے - اگر في الحقیقت اس بارے میں کوئي قانوني روک موجود نهیں ' تو همیں منتظر رهنا چاهیے که هر مذهب کا پیرو دوسرے مذهب اور اسکے رهنماؤں کو علانیه گالیاں دینا شروع کردیگا - اور ظاهر هے که اسکے نتائج کیا هونگے ؟

میں نے کتاب زیر بحث نهیں دیکهي هے ' لیکن اب اسکے دیکهنے کي ضرورت بهي باقي نهیں رهي - جسٹس کنور دلیپ سنگه اپنے فیصله میں تسلیم کرتے هیں که " کتاب یقیناً باني (داعي) اسلام کي هجو پر مشتمل هے - طرز تحریر معاندانه هے - اور مسلمانوں کے احساسات مجروح هونے کا احتمال هے - بلکه ان کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا هونے کا خیال بهي حق بجانب هے " با این همه

دو نمبروں کا مجموعه هونے کي وجه سے اس نمبر کي قیمت ۷ - آنه هے - نه که ۵ - آنه جیسا که لوح پر هے -

وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا فعل دفعہ ۱۵۳ - الف کی زد میں نہیں آتا جو پراسیکیوٹر کے طرف سے لگائی گئی ہے - کیونکہ انکے لفظوں میں "یہ دفعہ ایسے وسیع مفہوم کیلیے وضع نہیں ہوئی ہے - یہ صرف اسلیے وضع ہوئی ہے کہ کسی شخص یا جماعت پر جو اسوقت زندہ موجود ہے کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہو - گذشتہ مذہبی رہنماؤں کے خلاف حملے ' اگرچہ کیسے ہی شرارت انگیز اور سفیہانہ کیوں نہوں ' اسکے مفہوم میں داخل نہیں ہوسکتے "

دوسرے لفظوں میں جسٹس موصوف کی راے یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ ۱۵۳ - الف کا تعلق ایسی تحریر و تقریر سے ہے جسکے ذریعہ کسی جماعت کے خلاف دوسری جماعت میں دشمنی و نفرت پیدا کی جاے - لیکن اگر ایک شخص کسی مذہب یا بانی مذہب کے خلاف بد زبانی کرتا ہے ' تو اسے یہ نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اس نے دو جماعتوں کے اندر دشمنی و نفرت پیدا کرنی چاہی ہے - کیونکہ یہ ایک شخص کا ذاتی فعل ہے - اسکی وجہ سے خود اسکی ذات اس مذہب کے پیروؤں کے نزدیک قابل نفرت ہو جاسکتی ہے ' لیکن اسے " دو جماعتوں میں دشمنی و نفرت پیدا کرنا " نہیں کہا جا سکتا -

نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ جسٹس موصوف نے دو صورتیں قرار دی ہیں : ایک یہ کہ مثلاً ایک شخص کوئی ایسی کتاب لکھے جس سے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے اندر یا ہندوؤں کے برخلاف مسلمانوں کے اندر دشمنی و نفرت پیدا ہو سکتی ہے - دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مذہب یا بانی مذہب کے خلاف دلازار حملہ کیا جاے - وہ کہتے ہیں دفعہ ۱۵۳ - الف کا تعلق پہلی صورت سے ہے - دوسری صورت سے نہیں ہے -

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں صورتیں مختلف ضرور ہیں - اس میں بھی شک نہیں کہ دفعہ ۱۵۳ - الف کا ابتدائی مفہوم جماعتوں سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ افراد سے - لیکن اسکے ساتھہ ہی میں انکے اس خیال سے متفق نہیں ہوسکتا کہ زیر بحث معاملہ پر اس دفعہ کی زد نہیں پڑتی اور وہ اس دائرۂ اثر سے بالکل باہر ہے -

بلاشبہ میں ماہر قانون نہیں ہوں - میں یہ بھی پسند نہیں کرونگا کہ جسٹس موصوف کی قانونی قابلیت کے اعتراف میں کوتاہی کروں - لیکن میں سمجھتا ہوں ' معاملہ اسقدر صاف اور واضح ہے کہ اسمیں کسی طرح کی قانونی موشگافی کی ضرورت ہی نہیں ہے - ہر شخص جو قانون کے منشاء ' الفاظ ' اور حالات پر معمولی درجہ کی نظر بھی رکھتا ہے ' بغیر کسی کاوش کے معلوم کرلے سکتا ہے کہ جسٹس موصوف کی نظر صرف ایک ہی پہلو پر گئی ہے - دوسرا پہلو انہوں نے نظر انداز کردیا ہے -

علاوہ بریں اگر دفعہ ۱۵۳ - الف کی زد اسطرح کے افعال پر نہیں پڑتی تو دفعہ ۲۹۸ - بھی موجود ہے - لیکن مشکل یہ ہے کہ جسٹس موصوف کی تنقیح میں اسطرح کے معاملات دفعہ ۲۹۸ - کے ماتحت بھی نہیں آسکتے -

پہلے میں چند الفاظ ان دونوں دفعات کی نسبت کہنا چاہتا ہوں -

سنہ ۱۸۶۸ - میں جب ایکٹ نمبر ۴۵ - یعنی مجموعہ تعزیرات ہند نافذ ہوا ' تو اس میں کوئی دفعہ ایسی موجود نہ تھی جسکے ذریعہ " مختلف طبقات میں دشمنی و نفرت پیدا کرنے " کے افعال صاف اور صریح لفظوں میں روکے جاسکیں - اسمیں آٹھواں باب ان جرائم کی نسبت موجود تھا جو آسودگی عامۂ خلائق میں خلل انداز ہوسکتے ہیں - لیکن اسکی تمام دفعات زیادہ تر بلوے اور بلوے کے اشتعال وغیرہ سے تعلق رکھتی تھیں - البتہ ایک باب " جرائم متعلق مذہب " موجود تھا - اسمیں ۲۹۵ - سے لیکر ۲۹۸ - تک چار دفعات رکھی گئی تھیں - پہلی دفعہ کا تعلق مذہبی معابد اور متبرک مقامات کی توہین سے تھا - دوسری کا مذہبی اعمال و رسوم سے ' تیسری کا اموات و قبور سے - چوتھی دفعہ ۲۹۸ - تھی ' اور اس کے الفاظ یہ تھے :

" جو شخص سونچ بچار کر مذہب کی نسبت کسی شخص کا دل دکھانے کی نیت سے کوئی بات کہے ' یا کوئی آواز نکالے ' یا کوئی حرکت کرے ' یا کوئی چیز سامنے لائے ' تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی "

واضعان تعزیرات ہند نے خیال کیا تھا کہ یہ دفعات کافی ہیں ' لیکن بعد کو تجربے سے معلوم ہوا کہ کافی نہیں ہیں - سنہ ۱۸۹۸ - میں ایکٹ نمبر ۴ - کے ذریعہ تعزیرات ہند کی ترمیم کی گئی اور دفعہ ۱۵۳ - الف - کا اضافہ کیا گیا میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس دفعہ کے الحاق سے اصلی مقصود گورنمنٹ کی سیاسی اغراض کا پورا کرنا تھا ' لیکن میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس کا دائرہ اس درجہ تنگ ہے جس درجہ جسٹس موصوف نے قرار دیا ہے - اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں :

" جو کوئی ایسی باتوں کے ذریعہ جو تلفظ سے ادا کی جائیں ' یا لکھی جائیں ' یا اشاروں کے ذریعہ ' یا نقوش مرئیہ کے ذریعہ ' یا اور کسی ذریعہ سے ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقات کے درمیان دشمنی یا نفرت کے خیالات بڑھائے ' یا بڑھانے کا اقدام کرے ' تو اسے ایسی قید کی سزا دی جائیگی ...... الخ "

اب تعزیرات ہند میں دو دفعہ ہوگئیں ۲۹۸ - اور ۱۵۳ - الف -

پہلی دفعہ ہر طرح کی مذہبی " دلازاری " کو جرم قرار دیتی ہے جو عمداً عمل میں لائی جائے - دوسری دفعہ ہر ایسے فعل کو جس کے ذریعہ برطانی ہندوستان کی دو مختلف جماعتوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کے خیالات پیدا ہوں یا ہوسکتے ہوں ' تعزیری جرائم میں شمار کرتی ہے -

میں نے اپنی عادت کے خلاف بار بار یہ دفعات پڑھیں اور صورت حال پر غور کیا میں کوئی معقول وجہ نہیں دیکھتا کہ اس قسم کی تحریریں جیسی کہ زیر بحث تحریر ہے ' کیوں ان دونوں دفعات کی زد میں نہیں آتیں ؟ جسٹس دلیپ سنگھ کہتے ہیں " اگرچہ کتنی ہی دلازار اور سفیہانہ کیوں نہ ہوں اس کی زد میں نہیں آتیں " مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگرچہ کتنی ہی کم دلازار اور کم سفیہانہ کیوں نہو ہوں لیکن اگر وہ واقعی دلازار اور سفیہانہ ہیں ' تو ان دفعات کی زد سے بچ نہیں سکتیں -

امر تنقیح طلب صرف یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں سے " دو مختلف جماعتوں میں دشمنی اور نفرت کے خیالات " پیدا ہوتے ہیں یا نہیں ؟ نیز اس سے " کسی فرد یا جماعت کی دلازاری " ہوتی ہے یا نہیں ؟ سب سے پہلے دفعہ ۱۵۳ - الف کو لیجیے - جسٹس موصوف کی نظر صرف فرد اور جماعت کے فرق کی طرف گئی ہے - بلا شبہ یہ فرق پیش نظر رکھنا چاہیے - مگر سوال یہ ہے کہ دفعہ کا منشا صرف فعل کی صورت اور اسکی لفظی نسبت سے تعلق رکھتا ہے ' یا اسکا زور فعل کے اثر اور نتائج پر ہے ؟ اگر جواب اثبات میں ہے ' اور میں امید کرتا ہوں کہ قانونی نقطۂ خیال سے اسکا صرف یہی جواب ہوسکتا ہے ' تو پھر معاملہ کا فیصلہ نہایت آسان ہے - یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے - تمامتر واقعہ سے تعلق رکھتا ہے - دیکھنا یہ چاہیے کہ اس قسم کی مذہبی بد زبانی اور ہجوگوئی کا برطانی ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں کیا اثر پیدا ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے ؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ برسوں سے ملک کی دو جماعتیں یعنی مسلمانوں اور آریا سماجیوں میں باہمدگر

دشمني اور نفرت کے جذبات بڑھرہے ہیں اور اُنکا سب سے بڑا باعث اسي طرح کي مذہبي بد زباني اور مذہبي دلآزاري کي کوششیں ہیں؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اب مسلمانوں اور آریا سماجیوں سے بھي گزر کر معاملہ مسلمانوں اور ہندوؤں کا بن گیا ہے' اور اس قسم کے حملوں سے روز بروز دونوں جماعتوں کے دلوں کي برگشتگي بڑھ رہي ہے؟ یقیناً جج کي نظر قانون پر رہني چاہیے - لیکن قانون پر نظر رکھنے کے معني یہ نہیں ہیں کہ وہ تعزیرات ہند کے صفحات سے باہر کے لیے اپني آنکھیں میچ لے - یقیناً جج کے لیے ضروري ہے کہ وہ بیروني اثرات سے متاثر نہو' لیکن بیروني اثرات سے متاثر نہونے کا یہ منشا نہیں ہے کہ مقدمہ کي نوعیت اور حالات کي اُفتاد کے لیے بھي اُسکے پاس کوئي گوشۂ نگاہ نہو -

یاد رکھنا چاہیے کہ قانون اور اخلاق' دونوں کا حکم بہت حد تک حالات اور گرد و پیش کے تابع ہوتا ہے - ایک ہي فعل ایک وقت اور جگہ میں جرم نہیں ہوتا' مگر دوسري جگہ اور دوسري حالت میں جرم ہوجاتا ہے - میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر یورپ یا امریکہ میں اس قسم کي کتاب حضرت مسیح کي نسبت لکھي جاے' اور وہاں دفعہ ۱۵۳ الف - کے مضمون کي کوئي دفعہ موجود ہو' تو اُسکي زد میں کتاب نہیں آئیگي - اُسے قانوني گرفت میں لانے کے لیے کسي دوسرے قانون کي ضرورت ہوگي - یا غالباً گرفت میں لانے کي ضرورت ہي پیش نہ آئے - لیکن ہندوستان جیسے ملک کي حالت وہاں سے بالکل مختلف ہے - یہاں اگر ایک شخص اسطرح کي مذہبي بد زباني اور ہجو سرائي کرتا ہے' تو قطعاً اُسکے اثرات بہت زیادہ شدید اور بہت زیادہ وسیع ہوتے ہیں' اور اسکي وجہ سے صرف لکھنے والے هي کے برخلاف نہیں' بلکہ اُسکے ہم مذہبوں کے خلاف بھي نفرت کے خیالات پھیل جاتے ہیں - کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے عوام کي یہ ذہنیت غلط ہے اور اس میں اصلاح ہوني چاہیے - لیکن میں یاد دلاؤنگا کہ قانون اور عدالت کا فرض اصلاح (ریفارم) نہیں ہے' بلکہ صورت حال کے مطابق لوگوں کے عقائد و جذبات کا اعتراف کرنا ہے - یہ صورت حال اچھي ہو یا بري لیکن موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہے' تو جب تک موجود ہے' دفعہ ۱۵۳ - الف کي زد میں اس طرح کے تمام مذہبي حملے آنے چاہئیں - تعزیرات ہند کا مجموعہ ہندوستان کي دماغي اصلاح کیلیے مرتب نہیں ہوا ہے - امن و انتظام کے قیام کے لیے مرتب ہوا ہے - اُسے اس سے کوئي غرض نہیں کہ کیا ہونا چاہیے؟ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے؟ اور جو کچھ ہو رہا ہے' اُسے ملحوظ رکھتے ہوے باشندوں کے جذبات و مصالح کا کیونکر تحفظ کیا جا سکتا ہے؟

اب دوسري دفعہ ۲۹۸ - پر نظر ڈالیے - اپنے مقصد اور مقصد کے بیان میں یہ کسقدر واضح ہے؟ مگر جسٹس موصوف کہتے ہیں' اس قسم کے افعال کے لیے یہ بھي سودمند نہیں - دفعہ میں " دلآزاري " کا لفظ ہے - وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب دلآزار ہے - تاہم اُنکے خیال میں یہ دلآزاري وہ " دلآزاري " نہیں ہے جو ۲۹۸ - میں مقصود ہے - وہ کہتے ہیں کہ اگر اس قسم کي کتابیں اس دفعہ کے ماتحت لائي جائیں' تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ ہر طرح کي آزادانہ نکتہ چیني جرم ہوجائیگي - کیونکہ کوئي نکتہ چیني کسي پیشواے مذہب کے خلاف کتني ہي معتدل کیوں نہو' اُس کے پیروؤں کیلیے ضرور دلآزار ہوگي -

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں جسٹس موصوف کي تنقیح پہلي تنقیح سے بھي زیادہ تعجب انگیز ہے - اگر یہ طرز تنقیح تسلیم کرلیا جاے تو مجھے خوف ہے کہ صرف ۲۹۸ - هي نہیں بلکہ تعزیرات ہند کي پانچ سو گیارہ دفعات میں سے اکثر دفعات کا نفاذ مشتبہ ہوجائیگا!

تین چیزیں ہیں' اور تینوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا - ایک چیز نکتہ چیني ہے - ایک سخت نکتہ چیني ہے - ایک بدزباني اور ہجو ہے - دفعہ ۲۹۸ - مذہبي " دلآزاري " کو روکتي ہے - دیکھنا یہ چاہیے کہ ان تینوں قسم کي چیزوں میں سے کونسي چیز اس " قانوني دلآزاري " کے ماتحت آتي ہے؟ بلا شبہ ہر مذہب کے ماننے والوں میں ایسے غیر روادار لوگ موجود ہیں جو اپنے عقیدہ کے خلاف کسي طرح کي نکتہ چیني بھي نہیں سن سکتے - ہر طرح کي نکتہ چیني ان کے لیے دلآزار ہوجاتي ہے مگر یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے معاملات میں قانون کسي خاص انتہائي حالت کا اعتراف نہیں کرتا' بلکہ ہر طرح کي نرم و گرم حالتوں سے ایک معتدل اور مناسب اوسط نکال لیتا ہے - دلآزاري کے احساس کي ایسي حالت ایک انتہائي درجہ کي حالت ہے - قانون اسکا لحاظ نہیں کریگا - وہ ہر طرح کي گرم اور نرم طبائع سامنے رکھکر معلوم کریگا کہ اس بارے میں احساس دلآزاري کا اوسط درجہ کیا ہوسکتا ہے؟ یہ اوسط بالکل واضح ہے - یہ ایک ایسے آدمي یا جماعت کا احساس ہے جو ایک طرف تو ہر انسان کے آزادانہ حق راے زني کا پورا احترام کرتا ہے دوسري طرف اس حق کا بے اعتدالانہ اور حملہ آورانہ استعمال بھي گوارانہ نہیں کرتا - ایسے شخص یا ایسي جماعت کیلیے مذہبي نکتہ چیني' اگرچہ کتني هي آزادانہ کیوں نہو' کبھي " دلآزار " نہیں ہوسکتي البتہ ہر طرح کي بد زباني' ہجو' تذلیل و تحقیر' اور مسخر اڑانے کي کوشش ضرور " دلآزار " ہوگي - یہي " دلآزاري " دفعہ ۲۹۸ - کي زد میں آتي ہے' اور اگر زیر بحث رسالہ کي روش اور زبان ایسي هي ہے (اور خود جسٹس موصوف نے تسلیم کیا ہے کہ ایسي هي ہے) تو پھر کوئي وجہ نہیں کہ کیوں وہ اس دفعہ کي زد میں نہ آئے؟

بہر حال ہندوستان کي اعلی عدالتوں میں سے ایک عدالت کا فیصلہ اسکے خلاف ہوچکا ہے' اور اب سوے اسکے چارہ نہیں کہ ایک صاف اور غیر مشتبہ قانون کے ذریعہ اسطرح کي مذہبي دلآزاریوں کا (نہ کہ نکتہ چیني کا) سد باب کردیا جاے - ہز ایکسلنسي گورنر پنجاب نے بھي مسلمانان پنجاب کو جواب دیتے ہوے اسکي ضرورت تسلیم کرنے پر میلان ظاہر کیا ہے - میں بنده زیادہ تفصیل کے ساتھ اس بارے میں اپنا نقطۂ خیال ظاہر کرونگا -

---

اطلاع

افسوس ہے کہ ہمارا پچھلا اندازہ صحیح نہ نکلا اور طباعت و اشاعت کي مشکلات دور نہ ہوسکیں - اب اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ ہر ہفتہ کے پرچے یکجائي نکالدیے جائیں - چنانچہ یہ نمبر ۳ اور ۴ کا مجموعہ ہے جو شائع ہو رہا ہے - اسکے بعض فارم پہلے چھپ چکے تھے جنکي پیشاني پر صرف یکم جولائي ہے - لیکن بعد کو جو فارم چھپے اُنپر ۱—۸ جولائي کردیا گیا ہے - ضخامت بھي اسکي اُس سے زیادہ ہے جسقدر آخري صفحہ کے عدد سے معلوم ہوتي ہے - ٹائیپ کے آخري حصہ میں ۱۲ الف - سے ۱۲ د تک چار صفحے مزید بڑھا دیے گئے ہیں' اور رسالہ کي ضخامت پوري دو جزء ہے -

ہمیں اس بد نظمي کے لیے جسقدر افسوس ہے اُسکا اظہار الفاظ میں سودمند نہ ہوگا جب تک عمل کے ذریعہ ظہور میں نہ آلے - ہم اس بارے میں بجز اسکے اور کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ انتہائي کوشش جو مطبع کي دقتیں دور کرنے کے لیے کي جاسکتي ہیں ہم کر رہے ہیں' اور انشاءاللہ ہمیں اُمید ہے کہ یہ اس مطبع کي آخري بدنظمي ثابت ہوگي اور آیندہ ہر نمبر ٹھیک اپنے وقت پر شائع ہوگا -

متعدد باب جو اس وقت تک شروع نہ ہوسکے تھے' وہ بھي آیندہ نمبر کے لیے کمپوز ہو رہے ہیں -

منیجر

مذاکرہ علمیہ

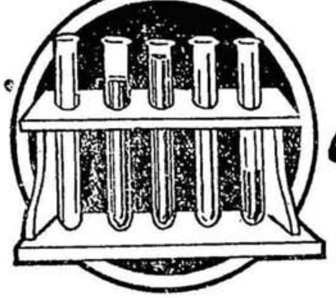

انسان کی تخلیق و ظهور کا اولین محل

(صحراء "گوبي" انسانيت کا اولين گهوارا ھے)

ايک نيا نظريه

صحراء "گوبي" واقع منگوليا ميں يورپين علماء کي ايک جماعت تحقيقات ميں مصروف ھے - إسکي غرض يه جديد نظريه ثابت کرنا ھے که يهي صحراء انسانيت کا اصلي گهوارہ ھے - يهيں سے نکل کر انسان کي نسل تمام دنيا ميں پهيلي .

إس جماعت کے صدر پروفيسر اندروز نے يورپ و امريکه کے علمي رسائل ميں حسب ذيل بيان شائع کيا ھے :

"إس بات کے ثبوت ميں متعدد دلائل موجود هيں که انسان نے اپني سب سے پهلي نشوؤنما صحراء گوبي ميں حاصل کي ھے - يه ثابت هوچکا ھے که آن نهايت پرانے زمانوں ميں جبکه تمام يورپ اور امريکا برف سے ڈهکا هوا تها ' وسط ايشيا ميں ايک خطه ايسا موجود تها جو طوفان برف سے محفوظ تها - يه خطه يهي صحراء تها - أس وقت صرف يهي ايک زمين زندگي کي نشوؤنما کي صلاحيت رکهتي تهي -

پهر همارے سامنے إس امر کے بهي دلائل موجود هيں که انسان جس راسته سے دنيا کے دوسرے خطوں ميں آباد هونيکے ليے پهنچا ' وہ راسته يورپ اور امريکا کے درميان واقع تها - علماء کو فرانس اور امريکا کي زمينوں کے اندر سے ايسے آثار دستياب هوے هيں جو باهمدگر پوري مشابهت رکهتے هيں ' اور صاف بتا رهے هيں که أنکي اصل اور سرچشمه ايک هي ھے - نيز أنسے يه بهي ظاهر هوتا ھے که وہ وسط ايشيا سے تعلق رکهتے هيں -

اکثر علماء يقين کرتے هيں که هماري زمين ايک کرور برس پهلے عظيم الخلقت حيوانوں سے آباد تهي - يه تمام حيوان نابود هوگئے - بعض کي هڈياں ملتي هيں - انميں سب سے اهم حيوان وہ تهے جنهيں آجکل علماء علم حيوان " ڈينو سر " اور "مستوڈن" کے نام سے موسوم کرتے هيں - صحراء گوبي إن حيوانوں سے لبريز تها - کسي نامعلوم زمانه ميں وہ منتشر هوے - ايک طرف سے چين پهنچے ' دوسري طرف سے امريکا ميں وارد هوے - يهي سبب اس مشابهت کا ھے جو امريکا اور مشرق قريب کے زير زمين آثار ميں هم ديکهه رهے هيں .

ممکن ھے اعتراض کيا جاے که ايسے بے آب و گياہ ريگستان ميں زندگي کيونکر قائم رہ سکي ؟

إس کا جواب يه ھے که تقريباً ايک کرور سال پهلے يه صحراء ريگستان نه تها - سر سبز و شاداب علاقه تها - هر طرف درختوں کي کثرت تهي ' دريا بهه رهے تهے ' زمين صاف تهي ' اور پهلوں اور ترکاريوں سے لبريز تهي - أس وقت يه صحراء انسان کے ظهور اور نشوو نما کيليے سب سے زياده موزوں مقام تها .

زندگي يهاں برابر بڑهتي اور ترقي کرتي رهي - يهانتک که رينگنے والے جاندار ظاهر هوے - پهر چهاتياں رکهنے والے حيوان پيدا هوے - پهر انسان نے ظهور کيا - قديم انسان موجوده انسان سے کسي قدر مختلف تها - امتداد زمانه کے ساتهه ساتهه أسنے بهي ترقي کي - أسکي نسل بڑهتي گئي - يهانتک که يه علاقه أسکے ليے نا کافي هو گيا - پهر يه مصيبت بهي پيش آئي که يهاں کا جنگل خشک هونا شروع هوگيا - آهسته آهسته درخت سوکهنے لگے - پاني کم هونے لگا - مجبوراً انسان نے هجرت کي ' اور يه جنگل ريگستان هوکر رهگيا جيسا که إس وقت هم ديکهه رهے هيں .

يهاں سے نکل کر انسان سب سے پهلے چين ' هندوستان ' روس ' فرانس ' جرمني ' برطانيا ' اور امريکا پهنچا - أسکي جماعتيں برابر آگے بڑهتي اور نئي نئي زمينيں تلاش کرکے آباد هوتي گئيں - حتى که تمام قابل بود و باش سر زمينوں پر أسکا قبضه هوگيا "

يه إس جديد نظريه کا خلاصه ھے - پروفيسر اندروز کي جماعت بحث و تمحيص کے بعد ايسے نتائج پر پهنچي ھے جو إس نظريه کي پر زور تائيد کرتے هيں - چنانچه أسے " ڈينوسر " اور " مستوڈن " اور چهاتي رکهنے والے حيوانات کي هڈياں ملي هيں - إن هڈيوں کي کثرت إس يقين پر مجبور کرتي ھے که يه حيوانات إس صحراء ميں باهر سے آئے هوے مسافر نهيں تهے - بلکه مقيم تهے - يه مان لينے کے بعد قدرتي طور پر يه بهي تسليم کرلينا پڑيگا که أس وقت يه مقام صحراء نه تها - سرسبز جنگل تها - اور يه که انميں سے بعض حيوانوں کي بلندي چهه ميٹر سے بهي زياده تهي .

إس تحقيقاتي کميشن کو سب سے اهم چيز جو هاتهه لگي ھے ' وہ ڈينو سر جانور کے انڈے هيں - ايسے قرائن موجود هيں جنسے خيال کيا جاتا ھے که ڈينو سر کي ماده نے حسب عادت ريت کے گڑهے ميں انڈے ديے تهے - مگر اچانک آندهي آئي اور ريگ نے انڈوں کو چهپا ليا - لاکهوں برس نيچے رهنے کے بعد بالاخر يه انڈے

صحراء گوبي کے ايک سرسبز گوشه کا منظر

آئرلینڈ کا ایک عماليق جس کا قد ۲۵۵ سنٹي ميٹر تها -

ایک جرمن عورت جس کا قد ۲۲۵ سنٹي ميٹر تها

عماليق يا دراز قد آدمی

درازي قد كي علمي توجيهه

قد كي درازي اگر ایک خاص معتدل حد تک هو تو حسن و جمال كي دلاويزيوں میں سے شمار كي جاتي هے - خواجه حافظ نے اسي قد كي درازي ميں اپني " عمر دراز " كي " كوتاهي " کا پيغام سنا تها :

بالا بلند ' سروقد خوش خرام من
كوتاه كرد قصهٔ عمر دراز من !

ليكن يهي " بالا بلندي " جب حد سے گزر جاتي هے تو حسن و دلاويزي كي جگه عجائب الخلقة ميں شمار هونے لگتي هے - مختلف قوموں ميں ايسے عجيب الخلقة دراز قد آدمي پائے گئے هيں اور اب بهي پائے جاتے هيں - عربوں كي ایک قديم شاخ نے مصر پر حمله كيا تها - اسكے اكثر افراد قد آور تهے - اسي ليے عربي ميں انكا نام " عماليق " پڑ گيا تها - غير معمولي دراز قد کو عربي ميں " عملاق " كهتے هيں -

تهوڑي مدت گزري نيو يارک ميں ایک عجيب آدمي ظاهر هوا تها اسكي عمر ۲۴ سال تهي - يه شخص اِس قدر لانبا تها كه جب موٹر ميں بيٹها تو اُسكي چهت ميں سوراخ كرنا پڑا تاكه اُسكا سر باهر نكلا رهے - كيونكه وه كسي طرح بهي موٹر ميں سما نه سكا تها - بازاروں ميں لوگوں نے اُسے ديكها تو تصويريں لينے لگے - اُسكا قد ۸ - فٹ تها !

سنه ۱۹۲۴ع ميں ومبلي (لندن) كي مشهور نمائش ميں ایک عملاق نمودار هوا تها - اسكي عمر صرف ۲۳ سال تهي مگر قد دو ميٹر ۸۴ - سنٹيمٹر تها - يه لندن اِس لئے آيا تها كه اجرت ليكر اپني نمائش كرے - وه اپنے قد كي درازي كي وجه سے هميشه اپني خاص جهونپڑي اور پاني کا ٹب ساتهه ركهتا تها - كيونكه يه دونوں چيزيں اُسكے مناسب حال كهيں بهي دستياب نهيں هوتي تهيں - اِسكي خوراک كتني تهي ؟ اسكا اندازه اِس سے هو سكتا هے كه اُسكے روز كے ناشته ميں ۱۵ - انڈے ' ۳ - بڑي مچهلياں ' ۵ - پليٹ سالن كے ' ۱۲ - روٹني ٹكياں ' اور ۸ - پيالياں چاے كي هوتي تهيں !

آج کل يورپ كے بعض علمي رسائل ميں يه بحث چهڑ گئي هے كه اس طرح كي غير معمولي دراز قدي كي علت كيا هے ؟

عام طور پر علماء کا خيال هے كه اسكي علت دماغي گلٹي هے - مشاهده سے معلوم هوچكا هے كه هر انسان ميں دماغ كے نيچے اور ناک كے پيچهے ایک گلٹي هوتي هے - اسے عربي ميں " الغدة النكفية " اور انگريزي ميں Parotid gland كهتے هيں - يهي گلٹي قد كي كمي بيشي كي علت هوا كرتي هے -

انساني جسم گلٹيوں سے بهرا پڑا هے - يهي اُسے زنده ركهتي هيں اور اُسكے اجزاء سے جسم کا توازن برقرار رهتا هے - ضخامت و لاغري ' بلند قامتي و پسته قدي ' ذهانت و بلادت ' دوران خون كي تيزي و سستي ' سب کا تعلق انهي گلٹيوں سے هے - اس دماغي گلٹي کا ایک اهم کام يه بهي هے كه وه ايسے مواد خارج كرتي رهتي هے جو خون كے ساتهه جاري رهتے اور هڈياں بڑهاتے رهتے هيں - جب اِن مواد کا اخراج كم هو جاتا هے تو انسان پسته قد ره جاتا هے - جب ضرورت سے زياده هو جاتا هے تو هڈياں غير معمولي طور پر لمبي هو جاتي هيں اور آدمي کا قد بهي بهت بڑه جاتا هے -

يه دماغي گلٹي دو حصوں ميں منقسم هے : ایک حصه آگے هوتا هے - دوسرا پيچهے هوتا هے - دونوں ایک عظمي (هڈي كے) صندوقچه ميں بند هوتے هيں - يه صندوقچه كهوپڑي كے اندر بطور ایک چهوٹي سي كوٹهڑي كے ركها هوتا هے - روئنٹجن شعاعوں كے ذريعه تحقيق هوا هے كه اكثر آدميوں

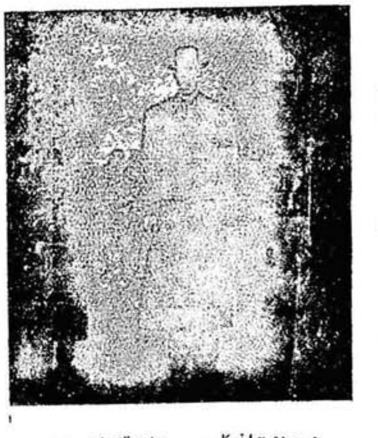

موجوده زمانے کا سب سے بڑا عملاق ایک روسي ماشنوف نامي هے - قد ۲۸۵ سنٹي ميٹر -

پتهرا گئے - معلوم هوتا هے ريگ كے بوجهه سے اِنكا چهلكا چٹک گيا تها اور ريگ كے ذرے اندر پهنچ گئے تهے - امتداد زمانه سے اندروني اور بيروني دونوں حصے پتهرا گئے هيں اور لكهوكها برس سے قائم هيں .

اِسكے علاوه بعض اور يادگاريں بهي دستياب هوئي هيں - شايد وه اِن انڈوں سے بهي زياده قيمتي ثابت هوں - وه يادگاريں پتهرائے هوئے انساني دانت هيں اور كئي هزار برس كے پرانے هيں - وهاں انكي موجودگي اِس بات کا قطعي ثبوت هے كه كسي زمانه ميں يه صحرا انسانوں سے معمور تها - تحقيقات سے ثابت هوا هے كه يه دانت

غاروں ميں رهنے والے انسانوں كے نهيں هوسكتے (كيونكه اُن زمانوں ميں زمين پر غار موجود هي نه تهے) خيال كيا جاتا هے كه يه انسان نهروں اور جهيلوں كے كنارے رهتے هونگے - مكان بهي نه تهے - آسمان كي چهت كے نيچے سوتے هونگے - اُسكے بعد بتدريج گهر بنانا شروع كيا - پهر پتهر كے اوزار طيار كئے - اِسي لئے اُس عهد كو " عهد حجري " كهتے هيں .

يه تحقيقاتي كميشن اِس صحراء ميں ابهي تين سال اور رهيگا - اُسے يقين هے كه مزيد تحقيقات کا دروازه عنقريب كهلنے والا هے دنيا کا تمام حلقهٔ علم اسكے آخري نتائج كي راه تک رها هے -

قابلیت کا مقیاس و میزان

انسان کے انتخاب میں انتخاب اصلح

هر شخص جانتا ہے کہ دنیا میں وهي کام کامیاب هوسکتا ہے جسے اُس کا اهل اور قابل آدمي انجام دے - بہتر سے بہتر کام بھي کامیاب نہیں هوگا' اگر اسکے لیے اهل آدمي میسر نہ آئینگے -

لیکن هر کام کیلئے اُسکي ضرورت کے مطابق اهل آدمي کیونکر چنا جائے ؟ اسکا فیصلہ آسان نہیں ہے -

دنیا میں قدرت الهي کے قوانین عمل میں سے ایک قانون " اِنتخاب اصلح " کا ہے - یعنے قدرت هر چیز میں اصلح اور بہتر کو چھانٹ لیتي ہے - غیر صالح اور کمتر کو چھوڑ دیتي ہے - زندگي' صحت' طاقت' اور کامراني کي ساري بنیاد اسي قانون پر ہے - افسوس انسان کي نا مرادي پر' اگر وہ خود اپني جنس کے انتخاب میں ایسا نہ کرسکے !

موجودہ زمانے میں " اهل آدمي کا انتخاب " ایک مستقل علمي موضوع هو گیا ہے - اسکے بڑے بڑے ماهر فن هیں - حال میں اس فن کے ایک بہت بڑے امریکن ماهر نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھي ہے جو امریکہ کي ایک تجارتي انجمن کے اهتمام سے شائع هوي ہے - یہ دراصل اُن مقالات کا مجموعہ ہے جو مصنف کتاب نے وقتاً فوقتاً اس موضوع پر لکھے تھے' اور امریکہ کے مختلف علمي رسائل میں شائع هوے تھے - کتاب نہایت مفید اور دلچسپ ہے' اور چونکہ ایک خالص نظري مسئلہ کو عملي اصول و قواعد کي شکل دي گئي ہے' اسلیے علمي حلقوں نے اُس کا نہایت پرجوش استقبال کیا ہے - هم وقتاً فوقتاً اسکے بعض ضروري مباحث الهلال میں شائع کرتے رهینگے - آج اسکے بعض ابتدائي مباحث کا ترجمہ هدیۂ قارئین کرتے هیں -

پہلے باب میں انتخاب اهل کي ضرورت پر بحث کرتے هوے مصنف لکھتا ہے :

(انتخاب اصلح)

" تمام کام جبھي انجام پاسکتے هیں جب اهل آدمیوں کے سپرد کئے جائیں' ورنہ آلات کي ایجاد' بجلي کے استعمال' اور کوئلہ کي کفایت سے کوئي فائدہ حاصل نہ هوگا - یہ چیزیں کام میں مدد دیتي هیں' لیکن کام کو کامیاب نہیں بنا سکتیں - کامیابي صرف اهل و اصلح کارکنوں کے انتخاب پر موقوف ہے .

هم هر چیز انتخاب کرتے هیں - کوئي چیز خرید انتخاب کرکے خریدتے هیں - تم بازار میں ایک دانہ سیب لیدے جاتے هو تو ایک ایک چن کر لیتے هو - یہ نہیں کہتے کہ سب سیب هي هیں' بغیر انتخاب کے لے لیں - یہي حال آدمیوں کا بھي ہے - سیب کي طرح سب آدمي بھي یکساں نہیں هوتے - کچھہ اچھے هوتے هیں' کچھہ برے - کچھہ اهل هوتے هیں' کچھہ نا اهل - لہذا انمیں بھي انتخاب هونا چاهئے - اچھا اور قابل لے لینا چاهئے - برا اور ناکارہ چھوڑ دینا چاهئے - پھر محض اتناهي کافي نہیں ہے کہ اهل و قابل کا انتخاب کرلیا جاے' بلکہ اُسے اُسي حیثیت میں بھي رکھنا چاهئے جسکا وہ مستحق ہے - مثلاً اگر ایک موسیقي داں کو موسیقي کي خدمت کیلئے منتخب کیا جائے' تو اُسے در بدر پھر کر روٹي کمانے سے مستغني کردینا بھي ضروري ہے - تاکہ بے فکر هوکر اپني پوري قابلیت سے فائدہ پہنچاسکے "

(معیار انتخاب)

اِسکے بعد اس سوال پر بحث کرتے هوے کہ " هر کام کیلئے اهل اور صالح شخصیت کے انتخاب کیلئے کوئي معیار اور قاعدہ بن سکتا ہے یا نہیں " ؟ لکھتا ہے :

" میرے دفتر میں چالیس آدمي کام کرتے هیں - جب میں کوئي نیا کام شروع کرتا هوں اور نئے آدمیوں کي ضرورت محسوس هوتي ہے' تو سب سے پہلے غور کرتا هوں کہ یہ کام آلہ کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہے' حیوان کے ذریعہ' یا آدمي کي ضرورت ہے ؟ اگر پہلي صورت ممکن هوتي ہے تو وهي کام میں لاتا هوں - کیونکہ آلات حیوان و انسان سے بہتر کام کرتے هیں - مثلاً پن چکي' آب پاشي' بھاري بوجھہ اٹھانا - ظاهر ہے یہ کام آلات کے ذریعہ آساني اور

میں یہ گلٹي بہت بڑي هوتي ہے' اور بونوں میں بہت هي چھوٹي هوتي ہے - اِس گلٹي کي ایک خاصیت یہ بھي بیان کي جاتي ہے کہ وہ خون میں نمکین مادہ کو معتدل رکھتي ہے' اور اُسے اُتني مقدار میں کردیتي ہے' جتني سمندر کے پاني میں هوتي ہے -

تاریخ میں بہت سے عمالیق کے نام محفوظ هیں - فرانس میں ایک شخص " جان تورنر " نامي گزرا ہے - ۱۵ - برس کي عمر میں اُس کا قد غیر معمولي سرعت سے بڑھنے لگا - یہاں تک کہ ۸ - فٹ ۳ - انچ تک پہنچ گیا - اُس کا جوتا ۱۴ - انچ لمبا هوتا تھا -

مرنے پر اُس کے دماغ کا وزن کیا گیا تو دو سیر ڈھائي اونس تھا - سر کي جانچ کرنے پر معلوم هوا کہ اُس کي دماغي گلٹي بہت بڑي تھي -

ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ وہ زمانہ جلد آنے والا ہے جب انسان چند نشتر کي پچکاریاں (یعني انجیکشن) لیکر اپنا قد جتنا چاہے گا بڑھا لے گا - اگر کتے کو انجیکشن دیدیا جائیگا تو وہ گھوڑے کے برابر هو جائیگا - یہ بات بظاهر عجیب معلوم هوتي ہے - مگر علم جس سرعت سے ترقي کر رها ہے' اُسے دیکھتے هوے اب کوئي بات بھي عجیب نہیں رهي ہے -

عمدگي سے کيے جاسکتے هيں - ليکن اگر دوسري صورت هوتي هے تو حيوان سے کام ليتا هوں - مثلاً اُن مقامات ميں جهاں ريل اور سڑکيں نهيں هيں باربرداري کا کام جانور زيادہ اچها کرسکتے هيں - آخري درجه ميں انسان سے کام ليتا هوں - يه اصول اگرچه همارے اسلاف کو معلوم تها مگر اُن سے عملاً کام لينا صرف پچاس برس هي سے شروع هوا هے .

اب غور کرنا چاهئے ' اهل و قابل اشخاص کا انتخاب کيونکر کيا جاے ؟ فرض کرو' حکومت امريکا کو ايک مرد يا عورت کي ضرورت هے - امريکا کي آبادي دس کروڑ هے - وہ کيا صفتيں هيں جو مطلوبه مرد اور عورت ميں هوني چاهئيں ؟

عام طور پر پهلي شرط يه قرار دي جاتي هے که وہ شخص امريکن هو - يهيں پيدا هوا هو' يا امريکن قوميت اختيار کرچکا هو - دوسري شرط يه سمجهي جاتي هے که اُسکي عمر سوله برس سے زيادہ اور ساٹهه سے کم هو - اِس شرط کي رو سے دو ثلث آبادي دائرۂ انتخاب سے باهر نکل جاتي هے -

حالانکه انتخاب ميں هميں کسي ايک شرط يا صفت هي پر اڑ جانا نهيں چاهئے - کيونکه کبهي عمر کا معامله قوميت سے زيادہ اهم هوتا هے - کبهي تربيت ' قدرتي قابليت سے زيادہ کار آمد هوتي هے - کبهي تجربه ' قابليت سے زيادہ ضروري هوتا هے - هميں اگر اصلح انسان کي ضرورت هے تو اسکے ليے قوميت ' وطنيت ' اور عمر کي شرطيں ابتدائي شرطيں کيوں سمجهي جائيں ؟

طويل غور و فکر اور تجربه کے بعد ميں نے انساني انتخاب کا ايک پيمانه طيار کيا هے - اُسميں ٢٣ - درجے رکهے هيں - انتخاب کے وقت اِس پيمانه سے فائدہ اٹهانا چاهئے - ذيل ميں اُسکي تفصيل ملاحظه هو :

(١) قوميت	(٢) نسل
(٣) شهريت	(٤) عمر
(٥) ابتدائي تربيت يا وراثت	(٦) ذهني قابليت
(٧) جسماني قابليت	(٨) عملي قابليت
(٩) اولين ماحول	(١٠) تعليم
(١١) عام تربيت	(١٢) تجربه
(١٣) فطري قابليت	(١٤) فني مهارت
(١٥) مزاج	(١٦) سيکهنے کي قابليت
(١٧) حرکات وسکنات	(١٨) عام ذهني يا بدني شکل
(١٩) قد و قامت	(٢٠) سختي يا نرمي
(٢١) رنگ	(٢٢) کاٹهي
(٢٣) مجموعي هيئت	

جب مجهے کسي آدمي کي ضرورت هوتي هے تو ميں يه پيمانه سامنے رکهه ليتا هوں اور هر شخص کو اِن تيئيس وجوہ انتخاب کي بنا پر جانچتا هوں - جسکے نمبر زيادہ نکلتے هيں ' اسے انتخاب کرليتا هوں - البته جانچنے والے کيليے بهي صاحب نظر هونا ضروري هے -

عام طور پر لوگ انتخاب ميں فني مهارت (اکسپرٹ نس) کو ديکهتے هيں اور دوسري تمام صفات نظر انداز کر جاتے هيں - حالانکه يه سخت غلطي هے - جانور اور چڑياں پالنے والے مذکورہ بالا صفات تمام کے تمام ملحوظ رکهتے هيں - کيونکه وہ سب ضروري ' اور انسان و حيوان کے مفيد و مضر هونے کا سبب هوتي هيں .

ان تيئس وجوہ انتخاب پر نظر ڈالنے سے معلوم هوگا که ان ميں کچهه تو ايسے هيں جنکے ليے خارجي معلومات حاصل کرنے کي ضرورت هوگي - مثلاً تعليم ' جنسيت ' تربيت وغيرہ - اور کچهه ايسے هيں جنکے ليے بے خطا قيافه شناسي کي ضرورت هوگي - قيافه شناسي کي يه استعداد بغير اسکے حاصل نهيں هوسکتي که انساني دماغ و جسم کے علوم ميں سے هر علم سے ضروري واقفيت حاصل کرلي جاے -

انساني مزاج اور قابليت کا صحيح طور پر معلوم کرنا بهت مشکل هے - قد و قامت ' رنگ روپ ' اور جسم کي کاٹهي سے بهي طبيعت کا اندازہ کرنا آسان نهيں - اِس بارے ميں انسان ' حيوان سے بهت کچهه مختلف هے - طويل تجربه کي ضرورت هے که انسان ' انسان شناس نگاہ پيدا کرلے - بارها ايسا هوا که ميں کسي مرد کي ذهانت يا کسي عورت کے حسن سے دهوکا کها گيا هوں -

اِنهي تجربوں کي بنا پر ميري پخته راے هے که اگر کسي شخص کے متعلق يقين هوجاۓ که وہ زندگي بهر کام ميں لگا رهے گا ' تو اُسکے امتحان ميں دس بيس هزار ڈالر اور چار پانچ سال خرچ کرڈالنا کچهه بيجا نه هوگا -

بلا شبه مناسب اور اصلح آدمي کا انتخاب مشکل هے - ليکن مذکورہ بالا پيمانه اگر کام ميں لايا جائے تو بڑي حد تک آساني هوجاتي هے اور انتخاب ميں زيادہ غلطي نهيں هوتي -

(ايک مثال)

کچهه مدت پہلے ريلوے ميں ايک معمولي جگه خالي هوئي تهي - اسکے لئے آدمي کا انتخاب ميرے سپرد کيا گيا - ميں نے اخبارات ميں حسب ذيل اعلان شايع کيا :

" ريلوے ميں کام کرنے کيلئے ايک امريکن نوجوان کي ضرورت هے - اُسے تجربه کار اور خوش اخلاق هونا چاهئے - ساٹهه ڈالر تنخواہ دي جائيگي - تين مهينے امتحان کيا جائيگا - پهر اضافۂ و ترقي کا سوال پيدا هوگا - درخواست کرنے والوں کو اپني تين تصويريں بهيجني چاهئيں : ايک اپنے رخسار اور کنپٹي کي - دوسري پورے چهرہ کي - تيسري پورے قد کي "

تين سو درخواستيں آئيں اور چهه گهنٹے معاينه ميں صرف هوئے - ٢٩٠ - ميں نے پهلي هي نظر ميں مسترد کرديں - کيونکه اُنکي شکلوں ميں کوئي نماياں عيب موجود تها - بعضوں کے لباس اور خط و خال سے صاف معلوم هوتا تها که محض ناکارہ هيں - بعضوں کي هيئت اور قطع بتلا رهي تهي که بڑے ضدي هيں - سيکهنے کي قابليت نهيں رکهتے - بعضوں کے دل و دماغ اور اخلاق کي کمزورياں نماياں تهي -

باقي دس تصويروں کي ميں نے پوري ديدہ ريزي سے جانچ کي - دو آدمي مطلوب تهے - مگر جانچ ميں چار پورے اترے - اور تجربه نے بتا ديا که ميري جانچ درست تهي - خود آدميوں سے ملاقات کرنے سے يه کهيں بهتر هے که اُن کي تصويريں منگا لي جائيں اور اُنکا دقت نظر کے ساتهه مطالعه کيا جاے "

(چار تصويريں)

اسکے بعد مصنف نے نو آدميوں کي تصويريں درج کي هيں اور هر تصوير کے نيچے صاحب تصوير کے اوصاف بهي درج کرديے هيں :

(١) دماغي آدمي — يه شکل ايک ايسے آدمي کي هے جو سنجيدہ ' مطمئن ' حليم هے - کم منفعل هوتا هے - زيادہ غور کرتا هے - سوچ سمجهکر راے قائم کرتا هے اور اُس سے کبهي هٹتا نهيں - حال سے زيادہ ماضي پر نظر رکهتا هے - سست عمل هے - مگر هوشياري سے کام کرتا هے - هميشه ايک هي طريقه پر رهتا هے -

نمبر ۱

(۲) دماغی عملی آدمی — اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے - بلند همت ہے - محنتی ہے - مضبوط ارادہ رکھتا ہے - شک کو **پاس** آنے نہیں دیتا - فصیح اللسان ہے - اپنی قوت اور اپنے کام کی **اهمیت** پر یقین رکھتا ہے - صاف دماغ کا مالک ہے -

(۳) عملی دماغی آدمی — خوش کلام - دلوں کا محبوب - سب کو راضی رکھنے والا ' بلند همت ' فراخ دل ' ترقی اور محنت کا شیدائی - بہت حرکت کرنے والا ' بہت نفع پہنچانے والا ' تنہائی میں کام کرنے والا ' مستقل مزاج -

(۴) عمل کی قوت نفوذ رکھنے والا آدمی — مضبوط ارادہ ' مضبوط رائے ' سخت مزاج ' سنگ دل ' جلد منفعل هوجانے والا ' تنہائی پسند ' بھروسہ اور اعتماد کے لائق - اس کی مثال اُس هیرے کی سی ہے جو خراد سے هنوز محروم ہے -

(۵) مستعد عملی آدمی — سخت اور درشت مزاج ' عزم صادق کا مالک ' کم غور کرنے والا ' اپنے نفس پر بھروسہ رکھنے والا ' کتنی هی مشکلات هوں مگر اپنے ارادہ پر عمل کرنے والا -

(۶) دماغی عملی آدمی — خوش گفتار ' بڑی بڑی اسکیمیں سوچنے والا ' دوسروں پر اثر ڈالنے والا ' اپنے اصلی خیالات چھپانے والا ' اپنی رائے پر جما رهنے والا ' گرد و پیش پر نظر رکھنے والا ' اپنے اوپر بہت بھروسہ رکھنے والا ' صاف دماغ کا مالک -

(۷) دماغی عملی آدمی — مستقل رائے رکھتا ہے ' زیادہ نفع پہنچاتا ہے - معاملات پر صحیح رائے رکھتا ہے - خوش تقریر ہے - صاف بیان ہے - فراخ دل ہے - ترقی اور رفاہ عام کے کام زیادہ پسند کرتا ہے -

(۸) دماغی آدمی — نرم مزاج ' محبوب ' حلیم ' مضبوط رائے رکھنے والا ' سست عمل ' مفکر ' متاثر نہیں هوتا ' حق کو سنتا ہے اور قبول کرلیتا ہے -

نمبر ۳

نمبر ۲

(۹) دماغی عملی آدمی — صاف رائے رکھتا ہے ' بحث میں قوی دلیلیں لاتا ہے ' مخلص ہے ' حق کا جویا ہے ' زندہ ضمیر کا مالک ' معتمد ہے ' مخاطب کو اپنی گفتگو سے قائل کردیتا ہے -

ان نو قسموں میں اصولی قسمیں در اصل چار هیں : دماغی ' عملی ' دماغی عملی ' عملی دماغی - اور انهی کے متعدد نمونے دکھائے گئے هیں - دماغی اور عملی کا مطلب واضح ہے - " دماغی عملی " سے مقصود ایسی شخصیت ہے جسکے خصائل میں اگرچہ عملیت کا عنصر بھی موجود ہے لیکن غلبہ دماغیت کو ہے - " عملی دماغی " اسکے برعکس ہے - اسمیں عملیت غالب اور دماغیت مغلوب هوتی ہے - خالص " دماغی " عملی قوت سے ' اور خالص " عملی " دماغی اوصاف سے عاری هوتا ہے -

هم اس مضمون کی وضاحت کے لیے چار تصویریں بھی کتاب سے نقل کردیتے هیں جن سے چار اصولی قیافے واضح هو جائینگے :

(۱) دماغی
(۲) عملی
(۳) دماغی عملی
(۴) عملی دماغی

تصویر نمبر (۱) خالص دماغی کی ہے - هر شخص جو انسان شناسی کی کچھ بھی نظر رکھتا ہے ' پہلی نگاہ هی میں رائے قائم کرلیگا کہ اسکے خط و خال کی مجموعی شہادت ذهن و فکر کا اعلان ہے - عملیت سے خالی ہے - مگر نمبر (۲) اسکے برعکس ہے - یہ ایک ٹھوس عملی قیافہ ہے جسمیں ذهنیت کی هلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی - نمبر (۳) اور (۴) میں پہلی ذهنیت کے غلبہ اور عملیت کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے ' اور دوسری میں عملیت کے غلبہ کے ساتھ ذهنیت کا عنصر بھی نمایاں ہے -

نمبر ۴

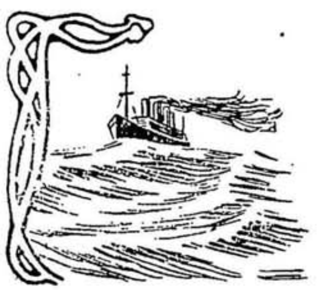

بريد فرنگ

فرانسیسی اولوالعزمی کی قربانی

کپتان ننجیسر کي مفقود الخبري !

بیسویں صدي کے تمام وسائل علم و احاطه کي شکست !

انسان کي علمي اولوالعزمیوں اور قدرت کي قهرمان حکومت میں ایک مسلسل جنگ جاري هے !

اُس نے سمندر کے طوفانوں کا مقابله کیا اور طاقتور سے طاقتور جهاز طیار کرلیے !

اُس نے زمین کي پهنائي کا مقابله کیا ' اور بهاپ اور بجلي پر قبضه کرکے ایسي سواریاں بنالیں ' جو ایک منٹ میں دو دو میل طے کرلیتي هیں !

اُسنے آسمان کي طرف دیکها - هوا میں پرند هر طرف اوڑ رهے تهے ' لیکن انسان کیلیے کوئي جگه نه تهي - بالاخر اُس نے یہاں بهي کامیابي حاصل کي ' اور ایسے طیارے ایجاد کرلیے جو تمام کرۂ ارضي کي فضا میں چکر لگا رهے هیں !

ان پے درپے کامیابیوں کے بعد اُسنے دم لیا ' اور فخر و غرور سے سر اٹهایا - خشکي ' تري ' هوا : تینوں مسخر هو چکے هیں !

لیکن قدرت ! اٹل ' بے پروا ' بے مهر ' اور قهرمان قدرت ! کیا اُسکے حاکمانه قوانین بهي مسخر هوگئے ؟ کیا سچ مچ کو انساني اولوالعزمي نے اُسے شکست دیدي ؟

اولوالعزم انسان کا سر اپني بے بسي کے تصور سے جهک گیا - کیونکه اُس نے دیکها که ان ساري اولوالعزمانه کامرانیوں کے بعد بهي اُس تناسب میں کوئي فرق نهیں آیا هے جو اُسکي بے بسي اور قدرت کي حاکمانه سطوت کا روز اول سے قائم هوچکا هے !

پہلے وہ چهوٹي چهوٹي باد باني کشتیوں ' جانوروں کي سواریوں اور دشت و جبال کے قافلوں میں قوانین قدرت کے سامنے بے بس تها - اب بیسویں صدي کے دخاني جهازوں ' زیر آب کشتیوں ' برق رفتار ریلوں ' اور باد پیما طیاروں کے اندر بے بس هے !

قدرت آگے بڑهنے سے نهیں روکتي - خود اُکساتي رهتي هے که آگے بڑهے - لیکن یه گوارا نهیں کرتي که اُسکي بے بسي کي حدیں ٹوٹ جائیں - وہ برابر بڑهتا رهیگا - قدرت اُسے برابر دعوت اقدام دیتي رهیگي -

لیکن اُس کي بے بسي ' بیچارگي ' بے دست و پائي : تو وہ اٹل هے ' اٹوٹ هے ' نا قابل تغیر هے ' ابدي هے ' اُس کي پیشاني خلقت کي سر نوشت هے جو قلم قدرت نے صبح ازل کي روشني میں نقش کردي هے - اُس کا مقام بدلتا رهیگا - کل تک وہ جس جگه کهڑا تها ' آج اُس سے سیکڑوں کوس اونچا هو گیا هے - کل اِس سے بهي بلندي پر هوگا - مگر فضاء عالم لا متناهي هے - وہ کتنا هي بلند هوتا جائے ' پهر بهي بلندي باقي هي رهیگي !

قارئین الهلال کپتان ننجیسر کي هوائي مهم اور اُسکے نتیجه سے بے خبر نهیں هیں - گذشته نمبر میں همارے مقاله نگار پیرس کي چٹهي شائع هوچکي هے جس نے نهایت موثر پیرایه میں اس مهم کي مفقود الخبري کي سرگذشت سنائي تهي - اب کئي هفته اور گذر چکے - اس عرصه میں ریوٹر نے کئی مرتبه ایسي خبریں دیں ' جنسے امید بندهي که کم از کم کپتان کي موت کا سراغ لگ جائیگا - لیکن بعد کو پهر انکي تغلیط کردي گئي - نتیجه یه نکلا که دنیا اب تک اِس اولوالعزمي کے نتیجه سے بے خبر هے !

کپتان ننجیسر

هر ایجاد کي طرح طیاروں کي ایجاد بهي علمي قربانیوں کي ایک بهت بڑي داستان هے ' لیکن موجوده عهد میں هوائي مهموں کي مفقود الخبري کا یه غالباً چهٹا یا ساتواں واقعه هوگا - اس سے پہلے انگلستان ' امریکه ' اٹلي ' اور هالینڈ کے متعدد طیارے مفقود الخبر هوچکے هیں -

لیکن موجوده عهد میں انساني قافلوں کي مفقود الخبري ' کس درجه عجیب واقعه هے ؟ ریل ' ڈاک ' تار ' اسلکي ' نے تمام دنیا کو ایک کردیا هے ' خشکي اور تري کا چپه چپه اور گوشه گوشه ایک دوسرے سے ملگیا هے ' بیسویں صدي کي معلوم ' محکوم ' اور مسخر دنیا هے ' اور انسان کي علمي اور عقلي فتح مندیاں اپنے منتهاء عروج تک پهنچ چکي هیں - تاهم قدرت کي حاکمانه سطوت کے مقابلے میں انسان اب بهي اسدرجه بے بس هے که دنیا کے تمام وسائل علم و اطلاع جواب دیچکے هیں اور اب تک نه تو اس هوائي مشین کا کچهه سراغ لگ سکا هے ' نه اُسکے اولوالعزم سائق کا کچهه پته چلا هے - دنیا فرانس اور امریکه کے هوائي مقابله کے نتیجه کیلئے مضطرب تهي ' لیکن اُسے ایک دوسرے هي مقابله کے نتیجه کي خبر سنني پڑي - وہ مقابله ' جسمیں ایک طرف قدرت الهي کي اٹل حاکمانه سطوت هے ' دوسري طرف انسان کے ناقص اور محدود علم کي بلند پروازیاں هیں ! و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی هین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118. BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

هے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا هر قسم کا سامان، اور هر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب هیں، تو هم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم هماری نمایش گاهوں اور ذخائر کی فهرستیں هی منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت، دونوں کیلیے همارا ذخیره قیمتی هے -

نوادر عالم کا یه ذخیره

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا هے -

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، هندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیره ممالک میں همارے ایجنٹ همیشه گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ ، امریکه ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهره کے نئے ایوان شاهی کے نوادر ابهی حال میں هم هی نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بهی پہلے هم هی سے خط و کتابت کیجیے - بہت ممکن هے که همارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپسے مل سکے -

جولائی سنه ۱۹۲۷ مين جولائی سنه ۱۹۲۵ پر ايک نظر !

دیش بندھو چترنجن داس

۱۷ - جون سے پہلي جولائي تک تمام ملک نے ديش بندهو چترنجن داس کي يادگار ميں جلسے منعقد کيے هيں - يه ديکهکر بے اختيار خيال سنه ۱۹۲۵ - کي طرف منتقل هوگيا - سنه ۲۵ - اور سنه ۲۷ - ميں صرف دو برس کي مدت حائل هے ' ليکن ان دو برسوں کے اندر ملک کي سياسي و قومي زندگي ميں کيسي کيسي عظيم تبديلياں هوگئيں ؟ سنه ۲۵ - اگرچه سنه ۲۰ - اور سنه ۲۱ - نه تها - مگر پهر بهي سنه ۲۵ - تها - ۲۶ - اور ۲۷ - نه تها - کاش سنه ۲۷ - ميں هم سنه ۲۵ - کي زندگي هي واپس لا سکيں !

اس تقريب سے مسٹر سي - آر - داس کي شخصيت بهي سامنے آگئي - في الحقيقت ملک کو اسکي موجوده منزل حيات ميں ايسے هي سياسي رهنماؤں کي ضرورت تهي - دو سال گزر گئے مگر ابتک داس کي جگه ملکي رهنماؤں کي صف ميں خالي هے ' اور نهيں معلوم کب تک خالي رهيگي !

جولائي سنه ۲۵ - ميں مسٹر داس کي وفات پر ايک تحرير حوالۂ قلم هوئي تهي ' تاکه ايک مقامي انگريزي اخبار کے خاص نمبر ميں شائع هو - مناسب معلوم هوا که اس موقعه پر اسے شائع کرديا جاے - جولائي سنه ۲۷ - ميں جولائي سنه ۲۵ - کے افکار و خيالات پر يه ايک نظر باز گشت هے !

(تاريخ کا انتظار)

فرانس کے مشهور مصنف ويکٹر هيوگو Victor Hugo نے والٹير Voltaire کي صد ساله يادگار مناتے هوے کها تها " زندگي کتني هي شاندار او عظيم هو ليکن تاريخ اپنے فيصله کيلئے هميشه موت کي منتظر رهتي هے " اگر يه سچ هے تو هندوستان کے مورخ کا انتظار ختم هوچکا - ديش بندهو چترنجن داس کي زندگي کي عزت اب تاريخ کے اوراق کيلئے ايک فيصل شده واقعه هے - وه اپني زندگي ميں اپنے ليے جو بات نهيں بتلا سکے تهے ' اپني موت سے دنيا پر آشکارا کرگئے !

هندوستان نے اپني جديد تاريخ ميں شايد هي کسي قومي رهنما کي موت پر ايسا عالمگير ماتم کيا هوگا ' جيسا ديش بندهو کي ناگهاني وفات پر هوا - ۱۹ - جون کو جب انکي نعش کلکته کي طولاني سڑکوں پر سے گزري تو اس عظيم الشان شهر نے اپني پوري آبادي استقبال کيلئے صف بسته کردي تهي - ماتمي انسانوں کا ايک صحرا تها جو ايک کناره سے دوسرے تک پهيلا هوا تها - غمگين دلوں اور اشکبار آنکهوں کي وه ان گنت تعداد اسکے علاوه هے جو راس کماري سے ليکر کشمير تک ' هر جگه هندوستان ميں ديکهي جا سکتي تهي !

پهلي جولائي کي مغموم اور خاموش سه پهر کے اضافه نے اس ماتم کي تاثير اور زياده مکمل کردي - اس دن بر اعظم هند کے گوشے گوشے ميں ماتمي مجلسيں منعقد هوئيں جنکي روداد سے اسوقت تک اخباروں کے صفحے رنگے هوتے هيں -

هندوستان جو بد قسمتي سے زندگي کے هر گوشے ميں طرح طرح کے تفرقوں ميں بٹ چکا هے ' موت کے اس ماتم ميں کس طرح متحد هوگيا تها ؟ مذهب ' نسل ' جماعت ' کوئي اختلاف بهي يه اتحاد نه روک سکا - سب نے بيک وقت محسوس کيا که هم ميں سے ايک بڑي زندگي جدا هوگئي هے - ان ميں بهت سے ايسے بهي تهے جو انکي زندگي ميں انکي پيروي کر رهے تهے - بهت سے ايسے بهي تهے جنکے قدم هميشه انکے خلاف اٹها کرتے تهے - تاهم جب وه مر گئے ' تو ان ميں سے کوئي بهي اپنے آپ کو انکي عزت سے نه روک سکا - زندگي کيلئے موت کا يهي فيصله هے جسکا تاريخ انتظار کيا کرتي هے !

(موت کا ماتم اور زندگي کے آثار)

هندوستان کے کروڑوں دلوں کا يه متحده احساس هندوستان کي موجوده تاريخ کا ايک اهم واقعه هے - ايسے هي واقعات سے احساس قوميت کے ضعف و قوت اور اس کے نشو ونما کا صحيح اندازه لگايا جاسکتا هے - اس ميں صرف ايک هر دلعزيز انسان کي موت کا غم هي نهيں هے - بلکه کروڑوں دلوں کي زندگي کي جهلک بهي دکهائي دے رهي هے - يه موت کي مايوسي ميں زندگي کي امید هے - اس سے معلوم هوتا هے که ملک کي عام زندگي ميں غفلت اور افسردگي کتني هي نماياں هوگئي هو ' ليکن اس کي تهه ميں ايک گهري اور حقيقي بيداري جگه پکڑ چکي هے ' اور جيسا که تاريخ کا تجربه شهادت ديتا هے ' بيداري کي يه اندروني موج جب ايک مرتبه جگه پکڑ لے تو پهر اسے پامال نهيں کيا جاسکتا - وه اپنے نشو ونما اور تکميل ميں هميشه سے اٹل رهي هے اور هميشه اٹل رهيگي !

(ديش بندهو کي کاميابي کا راز)

ليکن ميں اسوقت اتنا دور نهيں جانا چاهتا - ميں تو صرف اس بات پر غور کرنا چاهتا هوں که اس شخصيت نے ... سياسي رهنما کے جو کاميابي حاصل کي ' اسکا راز کيا تها ؟ هم سب کو معلوم هے که ان کي ملکي رهنمائي کي عمر کوئي بڑي عمر نهيں هے - ان کي نماياں قابليتوں پر اگرچه مدت سے نظريں پڑ رهي تهيں اور سنه ۱۹۱۷ ميں وه اچهي طرح بنگال کے ... پر نماياں هوگئے تهے ' تاهم ان کي رهنمائي کا اصلي زمانه تحريک لا تعاون (نان کوا پريشن) سے شروع هوتا هے - يه زياده سے زياده پانچ سال کا زمانه هے - اتنے قليل عرصه کے اندر هي انهوں نے هندوستان کي تاريخ ميں اپني نماياں جگه بنا لي اور تمام ملک کے دلوں پر قبضه کر ليے - هميں معلوم کرنا چاهيے که اس غير معمولي کاميابي ميں انکے کن غير معمولي اوصاف کو زياده دخل تها ؟

جس طرح ايک مکمل تصوير بنانے کيليے کوئي ايک رنگ هي کافي نهيں هوتا - اسي طرح ايک بڑے آدمي کيليے بهي کوئي ايک قابليت کافي نهيں هو سکتي - کتنے هي مختلف رنگ چاهئيں جنسے کمال اور بڑائي کي ايک شاندار تصوير کهينچي جا سکتي هے - ديش بندهو ميں يه مختلف اوصاف اپني کافي مقدار ميں جمع هوگئے تهے - وه دماغي اور اخلاقي ' دونوں طرح کے وصفوں سے مالدار تهے - انکي ذهانت غير معمولي تهي - انکي راے تعجب انگيز حد تک صائب اور بحث و استدلال کي قوت على درجه

تک دلنشین تھي - انکا دماغ ایک ایسا سانچه تھا جو کوئي ٹیڑھي اور نا ھموار چیز قبول ھي نہیں کرتا تھا - کوئي معامله کتنا ھي الجھا ھوا ھو ' وہ فوراً صاف اور صحیح پہلو پا لیتے تھے اور پھر کچھ بحث مخاطب کتنا ھي الجھائے ' انکا دماغ متاثر نہیں ھوتا تھا - انکي قوت تقریر ایک مانی ھوئي بات ھے - انکي تقریر میں نه تو صرف نظر فریب فصاحت ھوتي تھي نه صرف خشک استدلال ' بلکه خطابت (آریٹري) کے یه دونوں ضروري عنصر اپني مناسبت کے ساتھه مرتب ھوتے تھے ' اور جیسا که یوناني مقرروں کا مقوله ھے ' ایک مقرر کیلئے سب سے بڑا وصف یہي ھے که ان دونوں عنصروں کي ترکیب میں بے اعتدالي سے محفوظ رھے - انکے دماغ سے کہیں زیادہ انکا دل مالا مال تھا - حب الوطني کے شعلوں سے انکے دل کا تنور همیشه گرم رهتا تھا - وہ اپني زندگي میں بھي ایک جلتي ھوئي چتا تھے - انکي فیاضي اور ابناء جنس کي بے پایاں ھمدردي کا سب نے بطور ایک مسلم واقعه کے ذکر کیا ھے - انکي فیاضي علماء اخلاق کے نزدیک اسراف سمجھي جائیگي - سب جانتے ھیں که انھوں نے لاکھوں روپیے کمائے ' لیکن جب قانوني پیشه چھوڑا تو رهنے کا مکان گرو تھا اور بمشکل چند ھزار روپیے خرچ کیلئے پاس تھے ! انکے ایثار اور قربانیوں کا ذکر محتاج بیان نہیں - انھوں نے وطن کي خدمت کیلئے سچ مچ کو زندگي کي ساري آسائشیں قربان کردیں - وہ کلکته کي اعلی آسائش پسند سوسائٹي کي شاندار زندگي ترک کر کے کھدر کي ایک چادر پر قانع ھوگئے تھے !

انکے یه تمام اوصاف آج موافق مخالف ' سب کي زبانوں پر ھیں - لیکن میں صرف انہي پر قانع نہیں ھو سکتا - میں اس سے بھي زیادہ کوئي بات معلوم کرني چاھتا ھوں - یه اوصاف بلا شبه غیر معمولي ھیں - لیکن ایسے نہیں ھیں جن میں دوسروں کا حصه نه ھو - هندوستان اسوقت رهنماؤں اور رهنمائي کي قابلیت رکھنے والوں سے مفلس نہیں ھے - اسکے رهنماؤں کي صف کافي طویل ھے - ان میں ایسے لوگ بھي موجود ھیں جو بجا طور پر ان اوصاف کا کم و بیش دعوا کر سکتے ھیں - پس ھمیں صرف اسي حد تک رک نہیں جانا چاھیے - ھمیں جستجو کرني چاھیے که انکے رهنمایانه خصائص کے وہ خاص اوصاف کیا تھے جنکي وجه سے انھوں نے اتنے قلیل عرصه میں ایسي ممتاز کامیابي حاصل کر لي ؟

(دو وصف)

میرے خیال میں انکے دو خاص وصف ایسے تھے جن میں انکي رهنمایانه زندگي کي کامیابي کا راز پوشیده ھے - میں ان دو وصفوں کو انکي ساري قابلیتوں میں ابھرا ھوا دیکھتا ھوں :

اول یه که انکے اندر ایک نڈر اور بے باک قوۃ عمل موجود تھي -

ثانیاً یه که انکي حب الوطني اور قومیت فرقه وارانه جذبات سے پوري طرح پاک و صاف تھي -

یه دو باتیں کہنے میں بہت معمولي ھیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ھے - انہي دو وصفوں کے اندر ایک هندوستاني رهنما کیلیے آج سب سے بڑي آزمایش مضمر ھے - میں خیال کرتا ھوں دوسرے وصف کے بغیر تو هندوستان جیسے ملک میں سچي حب الوطني اور قومیت کا نشو و نما ھو ھي نہیں سکتا -

نڈر اور بے باک قوت عمل سے میرا مقصود یه ھے که ھم میں ایک بے باک اور خطرہ میں کود پڑنے والے سپاھي کي طرح کام کرنے کي روح موجود ھو - جو بات ھمارے اعتقاد میں سچي اور ضروري ھو ' بغیر تامل اور تذبذب کے اسکے اور اسکے لیے طیار ھو جائیں - بہت زیادہ سوچنا ' دیر تک متذبذب اور متردد رهنا ' قدم اٹھانا اور پیچھے ھٹا لینا ' طرح طرح کے نقشے بنانا اور چاک کردینا : ایک مفکر (تھینکر) کیلیے بہترین اوصاف ھوں لیکن ایک قائد (لیڈر) کیلیے نه صرف غیر ضروري ' بلکه میں یه کہنے کي جرأت کرتا ھوں که بسا اوقات معیوب میں داخل ھیں - ایک قائد کي راہ ایک فلاسفر کي راہ سے مختلف ھوتي ھے - قائد میں تخیل سے زیادہ عملیت ھوني چاھیے - اسے ھم حکیم سے نہیں مگر سپه سالار سے تشبیه دے سکتے ھیں - ایک سپه سالار اگر نقشه جنگ سوچنے میں ایک مفکر کي طرح غرق ھو جائے ' تو میدان جنگ کیلیے یقیناً کوئي دوسرا جنگ آزما ڈھونڈھنا پڑیگا - نپولین نے جنگ مرنگو کا نقشه ضرور ترتیب دے لیا تھا ' لیکن کوہ الپس کي نا قابل عبور چوٹي سے جب فرانسیسي فوج گزر گئي تو یه اسکے دماغ کا نہیں ' اسکي بے باک شجاعت و ھمت کا کام تھا !

چترنجن داس کے اسي وصف کا مجھپر خاص طور پر اثر ھے - ممکن ھے وہ سوچنے میں سست ھوں ' لیکن کرنے میں بے دھڑک اور بے باک تھے - کوئي معامله کیسا ھي بحث طلب اور پیچ در پیچ کیوں نه ھو ' وہ فوراً ایک راے قائم کرلیتے اور پھر بے دھڑک چل کھڑے ھوتے تھے - جھجھک اور تذبذب کو انکي سیرت (کیریکٹر) میں جگه نہیں ملي تھي - وہ عملي سیاست میں اس

اگر تمہارا نیشنلزم سچا نیشنلزم ھے - اور تمہاري حریت طلبي ایک دعو نہیں - تو سب تو اضیدان دلادو - سب کے ساتھه فیاضي اور فراخ دلي برتو - سب کو اپنے ساتھه لو - اور پھر دفتري اقتدار سے کہو که جگه خالي کر دے - چترنجن داس

بات کے قائل نہیں تھے کہ انتظار کرو اور سوچو - " جو پتھر راستے میں آجائے اسے فوراً ہٹا دینا چاہیے اور رکنا نہیں چاہیے " یہي أنکے سفر کا دستورالعمل تھا - شکسپیر نے ہملٹ میں انساني دماغ کي وہ حالت بتلائي ہے جب وہ حیران ہوکر سوچتا ہے " کروں یا نہ کروں ؟ " یہ " کروں یا نہ کروں " اُن میں نہ تھا !

أنکا دوسرا وصف بھي ایک طرح اسي وصف کے ساتھہ بیان کیا جا سکتا ہے - ہندوستان کي قومیت کي راہ میں سب سے زیادہ مشکل روک ہندو مسلم مسئلہ کي پیچیدگیاں ہیں - حالات ایسے گہرے اور شدید ہیں کہ بسا اوقات ایک بڑا سے بڑا ہندوستاني محب الوطن بھي فرقہ وارانہ تنگ نظري سے اپنے دماغ کي نگہباني نہیں کر سکتا - بڑي ہي ہمت' عشق وطن اور جنون آزادي کا بڑا ہي طاقتور جذبہ چاہیے جو ہمیں ایسي بلندي پر پہنچادے جہاں تک ان نچلے جذبات کي رسائي نہو - میں وثوق کے ساتھہ

جن لوگوں کو ہندو مسلم مسئلہ کي عملي مشکلات کا علم ہے' وہ جانتے ہیں کہ معاملہ کس درجہ مشکل اور پیچیدہ ہے ؟ معاملہ کي کوئي جانب اختیار کي جائے' ضروري ہے کہ مشکلوں اور مزاحمتوں کا ایک طوفان عظیم سامنے آ جائے - گزشتہ فروري (سنہ ۱۹۲۴) میں دھلي مي آل پارٹیز کانفرنس نے کامل ایک ہفتہ تک نشست جاري رکھي لیکن بالاخر بلا کسي فیصلہ کے منتشر ہوگئي - ایسا مشکل اور ہمت آزما معاملہ جب دیش بندھو کے سامنے اچانک آ گیا تو انہوں نے کیا کیا ؟ میں پہلي مرتبہ لوگوں کو بتلانا چاہتا ہوں کہ صرف پانچ منٹ کے اندر فیصلہ کردیا !

یہاں میں نے پانچ منٹ تھوڑے وقت کے معني میں مجازاً استعمال نہیں کیا ہے - بلکہ سچ مچ گھڑي کے پانچ منٹ مراد ہیں - بنگال لیجس لیٹو کونسل کے انتخاب سنہ ۲۳ - سے جب ہم فارغ ہوے' تو مخالفین نے کانگرس کو ناکام رکھنے کے

موت سے دو دن پہلے

کہہ سکتا ہوں کہ چترنجن داس نے ایسي بلندي حاصل کرلي تھي اور وہ کسي حال میں-بھي اُس سے اُترنے کیلئے طیار نہ تھے - اِس بارے میں أنکا دل فراخ اور فیاض تھا - وہ ملک کي آزادي اور نجات کیلئے وہ ساري چیزیں قربان کر دینے کیلئے طیار تھے' جو اس اعلی مقصد سے کمتر درجہ کي ہو سکتي ہیں - صرف یہي روح ہندوستان کا مسئلہ حل کر سکتي ہے - افسوس کے ساتھہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ مقام اسوقت تک بہت کم ہندوستاني رہنماؤں کو حاصل ہو سکا ہے -

(میثاق بنـــگال)

ہندو مسلم مسئلہ کے سلسلے میں " میثاق بنگال " (بنگال پیکٹ) ان کي زندگي کا مشہور واقعہ ہے - اس پر موافق مخالف' دونوں طرح کي رائیوں کا نہایت پر جوش مظاہرہ ہوچکا ہے - لیکن اسوقت تک بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہ میثاق وجود میں کیونکر آیا تھا ؟

لئے ہر طرح کے ہتیار آزمانا شروع کردیے - ان میں سب سے زیادہ موثر اور آزمودہ ہتیار فرقہ وارانہ حقوق کا مسئلہ چھیڑ دینا تھا - اُس وقت کاونسل کے اندر اور باہر' دونوں جگہ جماعت کي کامیابي بہت کچھہ اسپر موقوف تھي کہ مسلمان کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں ؟ جیسا کہ معلوم ہے' مسلمان دو جماعتوں میں منقسم تھے : ایک جماعت کانگرس کے ساتھہ تھي - ایک باہر - کانگرس کي کوشش تھي کہ تمام مسلمان کانگرس کا ساتھہ دیں - مخالفین کوشش کر رہے تھے کہ ہندو مسلم مسئلہ چھیڑ کر انہیں اس سے باز رکھا جائے - اس اثناء میں وہ ایک عجیب چال چلے - انہوں نے ممبران کاونسل سے کہا کہ اگر کانگریس پارٹي میں شامل ہي ہونا چاہتے ہو تو کم از کم اِس کا فیصلہ کرلو کہ مزید سیاسي حقوق ملنے پر مسلمانوں کي نمائندگي کا کیا حال ہوگا ؟ یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ اُن کا خیال تھا' مسلمانوں کي جانب سے جو مطالبات پیش ہونگے' اُنھیں کانگرس

پارٹي منظور نه کر سکے گي- نتیجه یه نکلیگا که مسلمان مایوس هوکر الگ هو جائینگے ' اور مسلمانوں کي علحدگي کے بعد کانگرس پارٹي نه تو کارنسل کے اندر کچھه کر سکیگي - نه باهر مضبوط هو سکیگي -

چنانچه مسلمانوں کے مطالبات کي ایک فہرست ایک بڑے سرکاري افسر کے یہاں طیار کي گئي - اچانک ایک دن صبح مجھے معلوم هوا که آج مطالبات پیش کیے جائینگے - میں نے اُسي وقت مسٹر داس سے بذریعه ٹیلي فون گفتگو کي - میں نے دریافت کیا که

دوسرا خطرہ پیدا هوگیا - یعنے مخالفت کا وہ طوفان عظیم جو اس کے خلاف شروع هوا - لیکن اسکے فرو کرنے کیلئے بھي هم اس وقت کافي طاقتور تھے -

(کارپوریشن دي میئرشپ)

شاید کلکته سے باهر بہت کم لوگوں کو یه بات معلوم هوگي که جب کارپوریشن کلکته کے پچھلے انتخابات میں کانگرس کو کامیابي هوئي ' اور کارپوریشن کے لیے میر کے انتخاب کا مسئله پیش آیا '

دارجلنگ میں جنازہ کا کلکته کي طرف کوچ

اگر یه مطالبات پیش هوے تو آپکا طرز عمل کیا هوگا ؟ انہوں نے بلا کسي تامل کے جواب دیا " میں فوراً منظور کر لونگا - کوئي وجه نہیں که ایک معقول مطالبه منظور نه کیا جاے اگرچه بے موقعه پیش هوا هو " - یقیناً انہوں نے یه فیصله پانچ منٹ سے بھي کم میں کردیا تھا !

اس طرح ایک سخت خطرہ سے فوراً نجات ملگئي - البته ایک

تو مسٹر داس بالکل طیار نه تھے که خود میر منتخب هوں - پہلي مرتبه جب اس بارے میں مجھه میں اور اُن میں مشورہ هوا تو انہوں نے زور دے کر کہا " میں چاهتا هوں پہلا میر ایک مسلمان هو - یه اُس روح کا عملي ثبوت هوگا جو کانگرس پارٹي نے مسلمانوں کي نسبت ظاهر کي هے - اور چونکه بجز تمهارے اور کوئي مسلمان ایسا موجود نہیں جسے هم سب بالاتفاق منتخب کرلیں ' اسلیے تم اسکے لیے

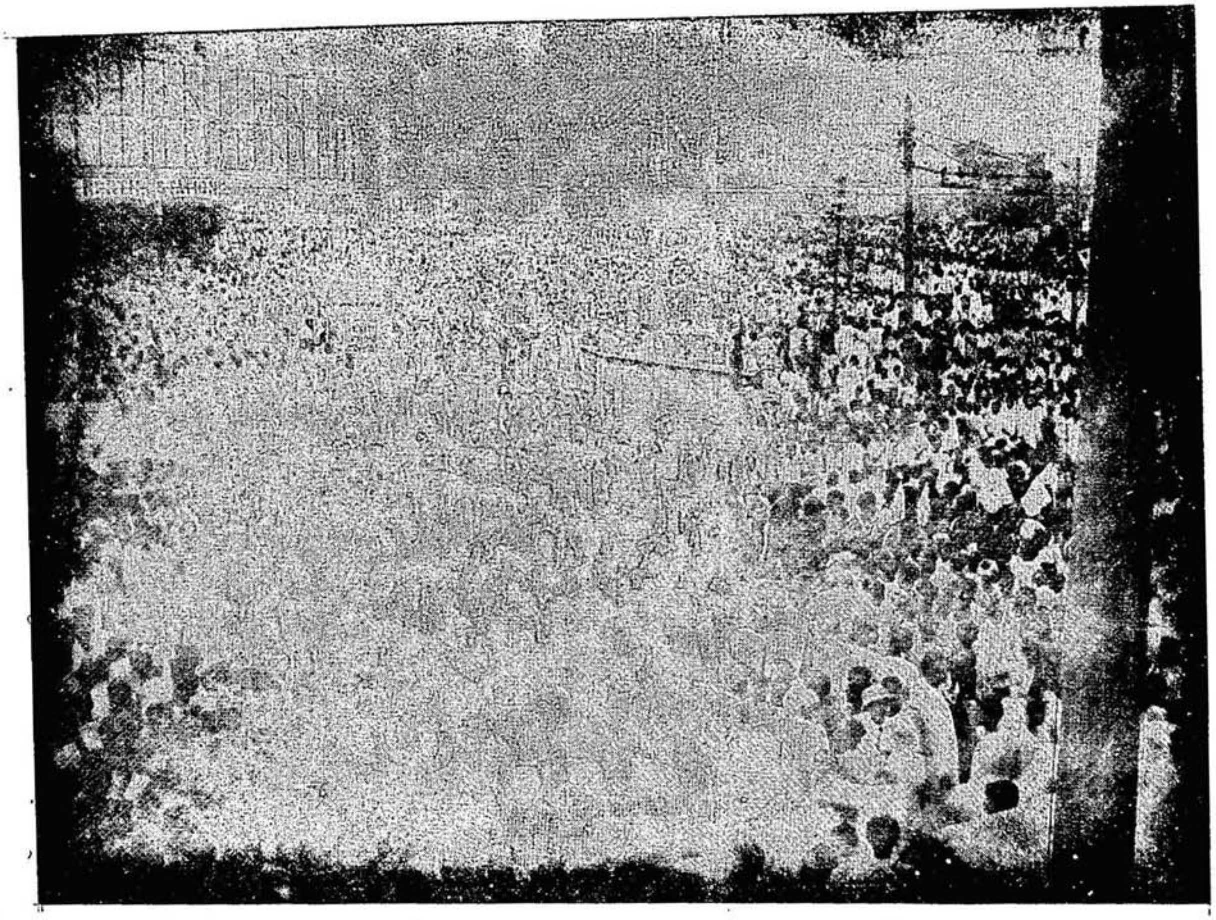

۱۹ - جون سنه ۱۹۲۵ - کو کلکته کي تمام آبادي سڑکوں پر جمع هوگئي تهي تاکه مسٹر داس کي نعش کا استقبال کرے۔
لیکن اپریل سنه ۲۶ - میں یہي آبادي سڑکوں پر دوبارہ جمع هوگئي تاکه ایک
دوسرے کا سر پهوڑے !

طیار ہو جاؤ " اسوقت تک الڈرمین کا انتخاب بھی نہیں ہوا تھا - انھوں نے پانچ الڈرمین میں ایک نام میرا اسی غرض سے رکھا تھا تاکہ مجھے میر منتخب کیا جاسکے -

لیکن میں نے نہایت اصرار کے ساتھہ اس سے اختلاف کیا - میں نے کہا - جہانتک میری ذات خاص کا تعلق ہے میں نہ تو اب اور نہ کبھی آئندہ اپنے آپ کو ان مناصب کے لئے مستعد کرسکتا ہوں - میری زندگی کی رفتار ابتدا سے دوسری ہے - وہ کسی طرح ان مناصب کے ساتھہ جمع نہیں ہوسکتی - باقی رہا کسی مسلمان کا میر ہونا ' تو بلا شبہ مسلمانوں کو پوری کشادہ دلی کے ساتھہ موقعہ دینا چاہیے - لیکن اسوقت ہر اعتبار سے ضروری ہے کہ آپ ہی میر منتخب کیے جائیں - خود مسلمانوں کی بھی خواہش یہی ہے -

(میرا اُن کا باھمی تعلق)

میں چند الفاظ اپنے اور اُن کے باھمی تعلقات کی نسبت کہے بغیر نہیں رہ سکتا - اُن کی برادرانہ محبت کی یاد میرے دل کا ایک نا قابل اندمال زخم ہے - ہمارا ایک دوسرے سے تعارف سوسائٹی میں نہین ہوا - نہ ہم میں اور کسی طرح کا ذاتی تعلق تھا - محض قومی خدمت کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے روشناس ہوے - لیکن طبیعتوں کی مناسبت نے بہت جلد دلی علاقہ کی صورت اختیار کرلی - حتیٰ کہ ہم محسوس کرنے لگے کہ دو بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہوچکے ہیں -

سنہ ۱۹۱۷ - سے پہلے ان کی شہرت زیادہ تر بہ حیثیت ایک کامیاب بیرسٹر کے تھی - اسی سنہ میں وہ پبلک پلیٹ فارم پر نمایاں ہوئے - میں اسوقت نظر بند ہوچکا تھا اور رانچی میں مقیم تھا - اخبارات میں ان کی سرگرمیوں کا حال پڑھتا رہا - جنوری سنہ ۲۰ میں جب رہا ہوکر واپس آیا ' تو پہلی مرتبہ اُن سے شناسائی ہوئی - ایک دعوت میں جو مجھے دی گئی تھی ' وہ بھی شریک تھے - لیکن یہ شناسائی محض سرسری تھی - اس کے بعد ہی "نوان کواپریشن" کی تحریک کا ابتدائی زمانہ شروع ہوگیا اور اگست میں کانگریس کا خاص اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس موقعہ پر وہ اس نظام عمل سے متفق نہ ہوسکے - سال کے آخر تک مخالف رہے - اور اس لئے یہ زمانہ ہم دونوں نے باھمی مخالفت میں بسر کیا - وہ ناگپور کانگریس کے لئے مخالفانہ طیاریاں کر رہے تھے - میری کوششیں موافقانہ تھیں -

ناگپور کانگریس میں وہ اس لائحہ عمل سے متفق ہوگئے ' اور پھر ہم دونوں از سرنو ملے تاکہ بنگال کے کاموں کی نسبت مشورہ کریں - فی الحقیقت اسی زمانہ سے میرے اُن کے تعلقات کا اصلی زمانہ شروع ہوتا ہے - اس تاریخ سے لیکر اُن کے انتقال تک میرا اُن کا شب و روز ساتھہ رہا - روز بروز باہم ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے - انہیں مجھپر اعتماد تھا - اور میرے دل پر ان کی خوبیاں نقش تھیں -

باھمی علائق کا یہ زمانہ کچھہ عجیب گونا گوں حالات میں بسر ہوا - اس میں دسمبر سنہ ۲۱ - کا وہ یادگار وقت بھی شامل ہے جب سب سے پہلے بنگال میں " سول ڈس اوبیڈینس " کا قدم اٹھایا گیا اور دو ہفتہ کے اندر اس نے حکومت کو مجبور کردیا کہ سختی و مقابلہ کی جگہ صلح و آشتی کا ہاتھہ بڑھائے - اس زمانہ میں ہم رات کے دو بجے تک اکٹھے بیٹھتے ' اور دوسرے دن کا پروگرام تجویز کرتے - ۹ دسمبر سنہ ۲۱ - کو ہمیں معلوم ہوگیا کہ اب ہماری گرفتاری میں تاخیر نہیں کی جائیگی - اس دن رات کے گیارہ بجے مسٹر کیرن شنکر رائے کے مکان پر ہمارا آخری اجتماع ہوا ' اور دوسرے دن سہ پہر کو بہ یک وقت گرفتار کرلیے گئے - قید خانہ میں بھی ہماری یک جائی قائم رہی - البتہ انہیں چھہ ماہ کی سزا دی گئی تھی - مجھے ایک سال کی - اس لیے وہ مجھہ سے چھہ ماہ پہلے رہا ہوگئے -

۶ - جنوری سنہ ۲۳ - کو جب میں رہا ہوا ' تو کانگریس دو جماعتوں میں بٹ چکی تھی - اور نئی سواراجیہ پارٹی کے لیڈر مسٹر داس تھے - دونوں جماعتیں مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں لیکن میں کسی میں بھی شریک نہیں ہوا ' اور اپنا وقت تمام تر اس کوشش میں صرف کر دیا کہ کسی طرح یہ اختلاف دور ہوجائے - یا کم از کم ایسی شکل اختیار کرلے کہ کانگریس کی مجموعی طاقت باھمی جنگ و جدال میں ضائع نہ جائے - چونکہ دونوں طرف جماعت بندی کے شدید جذبات کام کر رہے تھے ' اور متحدہ نقطۂ عمل اپنی جگہہ سے ہٹ چکا تھا ' اسلئے قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں - بالآخر کامل آٹھہ ماہ کی جد و جہد کے بعد مجھے اپنی کوشش میں کامیابی ہوئی اور دھلی کے خاص اجلاس کانگریس میں ایک متفقہ فیصلہ ہوگیا -

اس کوشش کے اثنا میں مسٹر داس کا جو طرز عمل ظاہر و باطن رہا ' اسنے میرے دل پر انکی غیر معمولی صفات کا اثر اور زیادہ گہرائی کے ساتھہ نقش کردیا - میں اس کام میں بہ حیثیت ایک صلح جو (پیس میکر) کے مجبور تھا کہ حسب ضرورت دونوں طرف رد و کد کروں ' اور کبھی ایک جماعت کو دباؤں - کبھی دوسری کو - بارہا ہم میں نہایت تیز اور سخت بحثیں بھی ہوگئیں - مجھے جس طرح "نو چینجرز" کے جمود و تقلید سے اختلاف تھا - اسی طرح "پرو چینجرز" کی بے قیدی سے بھی متفق نہ تھا - با ایں ہمہ ان تمام حالات کے اندر بھی جو حقیقت برابر مجھپر کھلتی گئی ' وہ بہ حیثیت ایک سیاسی قائد اور مدبر کے مسٹر داس کی شخصیت تھی -

جہانتک ہندو مسلم مسئلہ کا تعلق ہے ' میرا انکا معاملہ کچھہ عجیب طرح کا تھا - میں ڈرتا ہوں کہ ملک کی موجودہ آب و ہوا میں بہت کم لوگ اُسے ٹھیک طور پر سمجھہ سکینگے - ہم جب کبھی اس طرح کے معاملات پر گفتگو کرتے تھے ' تو بلا مبالغہ ہمیں ایک ادنیٰ احساس بھی کسی طرح کی تفریق کا نہیں ہوتا تھا - بارہا وہ کسی معاملہ میں ہندوں کی کسی جماعت کے نقطۂ خیال کے خلاف راے دیتے - اور میں مسلمانوں کے کسی گروہ کی راے سے متفق نہ ہو سکتا - میرے دل میں کبھی یہ گمان بھی نہیں گزرتا کہ ان میں میرے ہم مذہبوں کے خلاف کوئی فرقہ وارانہ جذبہ ہے - اسی طرح وہ بھی کبھی اس کا خیال نہیں کر سکتے تھے کہ میری حق پسندی فرقہ وارانہ خود غرضی سے آلودہ ہو سکتی ہے - وہ تمام معاملات جو آج ملک میں فرقہ وارانہ نزاعات کا ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں ' ہمارے سامنے آتے تھے ' اور ہم اس آسانی کے ساتھہ فیصلہ کر لیتے تھے کہ ہم دونوں کے علاوہ کسی تیسرے کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی - بارہا ہم نے ایک دوسرے سے یہ سوال کیا کہ کیا تمام ملک کے اندر دس بیس انسان بھی ایسے پیدا نہیں ہو سکتے جو اسی طرح انصاف اور حق پسندی کے ساتھہ ہر معاملہ پر نظر ڈالیں ؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم؟
(۳۰:۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

مغرب اقصیٰ اور اندلس پر ایک نظر اعتبار!

ایک مصری سیاح کے تاثرات

الجزائر

۹۰ سال سے الجزائر پر فرانس کا قبضہ ہے۔ فرانسیسیوں کی چستی و چالاکی، ذہانت و ذوق مشہور ہے۔ الجزائر اس کی بہترین نمائش گاہ ہے۔ ملک کا اکثر حصہ، جنت کا نمونہ بن گیا ہے۔ اسمٰعیل پاشا خدیو نے مصر کے لئے دعا کی تھی کہ "افریقہ کا یہ خطہ یورپ بن جائے" خدا نے الجزائر میں اُن کی دعا قبول کرلی! - محال ہے کہ کوئی سیاح اسے نیم متمدن افریقہ سمجھے۔ اب یہ یورپ کا ایک ٹکڑا اور بہترین ٹکڑا ہے، فرانس کا ٹکڑا ہے، بلکہ فرانس کا سب سے بہتر ٹکڑا — پیرس ہے!

الجزائر "پیرس" بن گیا ہے۔ یعنی الجزائر کی سرزمین لیکن اس سرزمین کے باشندوں کا کیا حال ہے؟ کیا اُنھیں بھی "پیرس" کے باشندوں کی زندگی حاصل ہے؟ افسوس! سرزمین "بہشت" بن گئی ہے مگر اس کے بدنصیب باشندوں کے لئے غلامی اور غلامی کی زندگی کے "جہنم" کے سوا کچھ نہیں ہے! وہ نہ تو "یورپی" ہے اور نہ "فرانسیسی" بن سکے۔ فرانسیسی تمدن اس سرزمین پر قبضہ کرتا جاتا ہے، اور وہاں کے اصلی باشندے جگہ چھوڑتے جاتے ہیں گویا نئی تہذیب انہیں دھکیل رہی ہے، اور ملک کے اُن گوشوں کے اندر قید کر رہی ہے جو علم و تمدن کی روشنی سے محروم ہیں۔

الجزائر کے بڑے شہروں میں دیسی باشندوں کا کوئی گھر نظر نہیں آتا، بازاروں میں ان کی کوئی بڑی دوکان نہیں۔ چلے جاؤ سیر گاہوں، درجہ اول کی گاڑیوں میں کبھی الجزائری نظر نہیں آئے گا۔ گویا پورا ملک اپنے اصلی باشندوں سے خالی ہو گیا ہے بڑی تلاش کے بعد شہروں میں دو چار حقیر اور میلے کچیلے محلے ملتے ہیں۔ الجزائری انھیں محلوں میں قید ہیں۔ یورپین محلوں اور بازاروں میں اگر آتے بھی ہیں تو بھیک مانگنے، مزدوری کرنے، گاڑیاں چلانے وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون!

الجزائر میں الجزائریوں کی تعداد برابر کم ہو رہی ہے۔ اور فرانسیسی بڑھ رہے ہیں۔ اُن کا ٹڈی دل یورپ سے چلا آرہا ہے اور الجزائری جوق جوق پہاڑوں اور بیابانوں کی طرف بھاگ رہے ہیں جتیٰ کہ اسوقت ان کی آبادی چھ میں ایک رہ گئی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں ان کی تعداد اور بھی کم ہے۔ پائے تخت میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہونگے!

اگر تاریخ کا افسانہ صحیح ہے اور قومیں اُسی طرح فنا ہو جاتی ہیں جس طرح افراد اور حیوانات و نباتات، تو تاریخ کو اپنے دامن میں ایک نئے افسانۂ زوال کے لئے گنجائش نکال لینی چاہئے۔ عنقریب ایک بڑی قوم صفحۂ روزگار سے حرف غلط کی طرح مٹ جانیوالی ہے۔ یہ قوم الجزائر کی سرزمین پر پڑی سسک رہی ہے زیادہ سے زیادہ سو برس اُسے دم توڑنے میں اور لگیں گے۔ کون کہتا ہے جہل و غفلت کے ہاتھ پاؤں نہیں؟ جسے دیکھنا ہو الجزائر میں آئے۔ یہاں جہل کے ہاتھ ایک قوم کا گلا گھونٹ رہے ہیں، اور غفلت اپنے پیروں سے اُسے کچل رہی ہے!

مراکش

مراکش اور الجزائر میں بہت فرق ہے۔ زمین میں بھی اختلاف ہے۔ باشندوں کے طبائع و خصوصیات میں بھی اختلاف ہے۔ مراکش زیادہ سرسبز اور خوبصورت ہے۔ مراکش، اسپین سے بہت مشابہ ہے۔ وہ در اصل اسپین ہی ہے صرف سمندر کی گردن نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ مراکش اور اسپین کے باشندوں میں بھی بہت مشابہت ہے۔ ایک ہی خاندان کی دو شاخیں معلوم ہوتے ہیں!

اہل مراکش کی معاشرتی زندگی اور قدیم تاریخ، دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت میں یہ قوم بہت بڑے تمدن کی مالک تھی، مشرق اور مغرب کے مابین درمیانی کڑی تھی۔ آسمان تمدن پر ایک روشن سورج تھی اور چار دانگ عالم کو روشن کر رہی تھی۔ لیکن جس قدر اس کی ترقی کی رفتار تیز رہی تھی، اُسی قدر اس کا زوال بھی سریع السیر ہوا۔ یوں کہنا چاہئے کہ اسپر قبل از وقت بڑھاپا آگیا مراکشیوں کی موجودہ معاشرتی زندگی کی ایک عجیب خصوصیت اُنکے ہر حلقہ اور ہر درجہ کی یکساں معنویت ہے۔ ایسی معنویت جو ایک ادارۂ و تمدن رفتہ کی خبر دیتی ہے۔ سب پرانے بادشاہوں کا سا دراز اور طویل الذیل لباس پہنتے ہیں۔ سب کے چہروں پر بڈھوں کی سی متانت اور سنجیدگی نظر آتی ہے۔ ہر مراکشی اپنی داڑھی اور وضع قطع میں ایک پیر مرشد اور ثقہ عالم معلوم ہوتا ہے۔ سکون، سکوت، آہستگی، سنجیدگی، ہر حال میں ملحوظ رہیگی۔ ہاتھ ہلائینگے تو رک رک کر، سر گھمائیں گے تو سوچ سوچ کر، بولیں گے تو ٹھہر ٹھہر کر، چلیں گے تو متانت و تمکنت سے دامن لباس سنبھالتے ہوئے! میرے خیال میں یہ لباس عیش پسند بادشاہوں کا تھا لیکن پوری قوم عیش پسند ہوگئی اور سب نے بادشاہوں کا لباس پہن لیا!

ممکن ہے کہ آج کے مراکشی نے اسپین فتح کیا ہو اور آدھا فرانس تہ و بالا کر ڈالا ہو۔ نازک جوتیاں پہننے والا پہاڑوں پر کیسے دوڑ سکتا ہے؟ لمبے لمبے جبے، بھاری بھاری عمامے، انسان کو کب چست و چالاک بننے دے سکتے ہیں؟ لیکن نہیں وہ سپاہی مراکشی تھے۔ اُسوقت مراکش جوان تھا۔ اب بوڑھا ہو گیا ہے!

مراکشیوں اور جزائریوں میں فرق

اہل مراکش کے چہروں پر مجھے وہ نیکی دکھائی دی جو اہل جزائر کے چہروں پر موجود نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا یہ محض ظاہری فرق ہے یا حقیقی ہے؟ مراکشی داڑھیوں کی پرورش کرتے ہیں۔ خدا انکے گھنے بالوں میں برکت دے! برخلاف انکے جزائری کلوں کی صفائی کرتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں۔ خدا اُنھیں طول و عرض میں پھیلائے! مراکشی کتنے ہی غیظ و غضب کا اظہار کرے مگر بغض و کینے سے اُس کا دل خالی ہے وہ واقعی نیک اور پاک دل ہوتا ہے۔

مراکشی کی ساکن نظریں اُس کے باطنی سکون کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن اس سکون کے ساتھ غفلت بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے اور بسا اوقات حماقت تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اُن میں یہ غفلت و حماقت کہاں سے آئی؟ حالانکہ وہ شراب اور ہر قسم کے نشوں سے قطعی طور پر دور ہیں۔ اگر واقعی ان میں غفلت و حماقت موجود ہے تو یہ اُس عیش و راحت کا نتیجہ ہوگی جس میں وہ صدیوں سے مبتلا ہیں۔

میرے خیال میں مراکشی غفلت و حماقت کے اس قدر شکار نہیں ہوئے ہیں جس قدر مصائب نے اُنکے حواس گم کر دیئے ہیں ہر طرف سے اُن کے وطن پر اغیار کی یورش ہے۔ وہ بے بس ہو گئے ہیں۔ چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ اس حالت نے اُنھیں مدہوش بنا دیا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں مدہوش نہیں ہیں: وتری الناس سکاری، وما ھم بسکاری، ولکن عذاب اللہ شدید!

برخلاف اِن کے جزائری کی نظریں تیز اور ولولوں سے لبریز ہیں۔ لیکن کمزوری اُنھیں نیچا کئے دیتی ہے۔ اُن کی نظروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا بیمار شیر ہیں، اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اُن میں زندہ دلی بھی ہے، اور اتنی ہے کہ اگر میدان خالی پائے تو خطرناک صورت اختیار کر لے!

اہل مراکش کی عربیت میرے لئے بہت مشکل تھی۔ برخلاف اس کے الجزائر کی زبان مصر و شام کی عربی سے زیادہ قریب ہے البتہ الجزائر کی زبان میں یہ خرابی بہت نمایاں ہو گئی ہے کہ انھوں نے بکثرت فرانسیسی لفظ داخل کر لئے ہیں فصیح عربی وہاں تقریبًا مفقود ہوتی جاتی ہے۔

اندلس

اندلس (اسپین) اسلام و عرب کی آٹھ صدیوں کا اندلس، بہت مفصل ہے۔ لاکھ مختصر کیا جائے مگر اُس کا نقشہ کھینچا نہیں

جاسکتا۔ اسپین کے چپہ چپہ میں عبرتیں ہیں۔ رومن یادگاریں ہیں اس سے پہلے کی، اور اس کے بعد کی یادگاریں ہیں۔ لیکن تمدن تعلیم کے سراغرساں عربی یادگاروں ہی کی قدر کرتے ہیں، اور انہی کے مشاہدے کے لئے تمام دنیا سے شدِ رحال کر کے آتے ہیں۔

اندلس میں ابتک بہ کثرت عربی آثار باقی ہیں اگرچہ متعصب اور جاہل اسپینیوں نے اُن کے مٹانے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی انھوں نے عرب اور عربوں کو اندھے دینی جوش کے ساتھ برباد کیا عربوں کا سمندر تک پیچھا کیا، اور اب خود عربی ممالک میں اُن کا قلع قمع کر رہے ہیں!

اسپینیوں نے عربی یادگاریں محو کرنے کی پوری کوشش کی مگر چند یادگاریں اتنی سخت جان تھیں کہ ابتک موجود ہیں۔ پتھر اور چونے کی یادگاروں کے علاوہ بہت سی معنوی یادگاریں بھی ایسی قائم ہیں کہ انھیں کوئی انسانی قوت مٹا نہیں سکتی۔ اسپینی زبان، بے شمار عربی الفاظ سے لبریز ہے۔ ان الفاظ کا نکال دینا ناممکن ہے۔ انکے نکال دینے کے بعد اسپینی زبان، زبان ہی نہیں رہے گی۔ پھر اسپین میں کتنے بے شمار چہرے ہیں، جو پکار پکار کر اعلان کر رہے ہیں کہ ہم عربی ہیں! پیشانی کی ساخت، ناک کی قطع، بالوں کی سیاہی، نرمی، اور پیچ و خم سب عربی ہیں۔ کتنی آنکھیں ہیں جو عربی سیاح کی آنکھوں سے لپک کر معانقہ کرتیں اور زبان حال سے پکارتی ہیں:

دانا نہی اتدا منانی نعالھم وانفا بین اللحی والحجو حیبا!

پھر اسپین کی پوری سرزمین، اور اُس سرزمین کا ذرہ ذرہ عرب شہیدوں کے خون سے تر ہے! اسپینی لاکھ کوشش کریں! اپنی سرزمین سے شہیدوں کا خون جلا وطن نہیں کر سکتے!

اسپین میں ابتک عربوں کے محلے موجود ہیں اگرچہ عرب اُن میں آباد نہیں ہیں۔ مکین نہیں رہے۔ لیکن مکان اب تک موجود ہیں! عربی بازار ہیں، عربی قلعے ہیں، عربی محل ہیں، عربی باغ ہیں۔ مسجدیں بھی ہیں جن کے میناروں پر اب موذن کی صداؤں کی جگہ سنہری صلیبوں کی نمائش ہوتی ہے!

عبرت کے مقامات میں بھی کبھی کوئی ہنسا ہے؟ لیکن میں نے اپنے تئیں اندلس کی عبرت گاہوں میں حیرت سے دیکھا کر مسکرا رہا ہوں! میں "قصر الحمراء" کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیونکہ مجھے وہ بادشاہ اور امراء سر نیچے کئے اور کمر جھکائے رینگتے نظر آتے تھے جنھوں نے آباد اجداد کی عظمت اپنی عیش پسندی کی نذر کر دی اور خود ذلیل و خوار ہو کر خس و خاشاک کی طرح بہ گئے! میں نے انھیں پکار کر کہا "قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا، فہل وجدتم ما وعد ربکم حقا؟"

لیکن میرا یہ جذبہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ فوراً دل نے آہ کی اور دل کی آہ نے آنکھوں میں پہونچکر قطرات اشک کی صورت اختیار کر لی۔ قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ میری زبان پر تھی: کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم، ونعمۃ کانوا فیہا فاکہین! کذلک واورثنا قوما آخرین۔ فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین!

(علی عبد الرازق)

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

منیجر "الہلال" کلکتہ

بریدِ شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ٹرکی کا محرم۔ امیر البحر برسٹل کا بیان۔ انگورہ قیصریہ ریلوے۔ روسی انگریزی جھگڑا اور ٹرکی

ٹرکی کا محرم

ہجری سال ختم ہو رہا ہے۔ نئے سال کی آمد آمد ہے۔ یہاں چائے خانوں میں آجکل بعض لوگ جماہیاں لے رہے ہیں۔ انھیں سال نو کی ذرا بھی خوشی نہیں۔ محرم کے غم میں گھلے جاتے ہیں۔ محرم کے پرانے جلسوں اور مجلسوں کی موقوفی پر!

ان کا غم ایک حد تک بجا ہے۔ واقعی ٹرکی خصوصاً قسطنطنیہ کا محرم بہت دلچسپ ہوتا تھا۔ نئی حکومت نے جہاں اور بہت سی پرانی رسمیں موقوف کر دی ہیں، محرم کے جلسے بھی روک دیئے ہیں جکو نئی یہ کتنی ہی بڑی اصلاح کیوں نہ ہو لیکن جنھیں ان جلسوں کی چاٹ پڑ چکی ہے، انھیں ناراض ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ وہ کہتے ہیں "زندگی کا آدھا مزہ جاتا رہا"

حکومت نے ۱۹۲۵ء میں محرم کے مراسم موقوف کر دیئے۔ اب وہ افسانہ بن گئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ دنیا انھیں فراموش کرے یا تاریخ اپنے صفحات میں ان کے لئے جگہ نکالے، ہم ایک مرتبہ اور انھیں یاد کر لینا چاہتے ہیں۔

میں جو کچھ لکھنے والا ہوں، سنی سنائی باتیں نہیں ہیں چشم دید واقعات ہیں۔ زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ صرف خانقاہوں کے محرم کا ذکر کر دوں گا۔

حالت یہ تھی کہ خانقاہوں کے بے فکر ملا اور نام کے صوفی سال بھر تک محرم کا بیچینی سے انتظار کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کی کمائی اور خوش وقتی کا اصلی موسم یہی تھا۔ پہلی محرم سے خانقاہوں میں سیاہ پردے پڑ جاتے تھے۔ اُنکے پُر اسرار رہنے والے اپنے سفید اور سبز عمامے اتار کر سیاہ عمامے پہن لیتے تھے۔ پانی کے نل بند کر دیئے جاتے تھے۔ لاکھ پیاس لگی ہو مگر وہاں پانی مل نہیں سکتا تھا۔ پانی کے ظروف تک ہٹا دیئے جاتے تھے۔ جہلا سمجھتے تھے یہ لوگ اہل بیت کے محب ہیں، پانی تک نہیں پیتے! حالانکہ یہ محض فریب تھا۔ یہ محرم بھر سیراب رہتے تھے۔ پانی رنگین بوتلوں میں بھر کر مکان کے کونوں، غسل خانوں، اور پاخانوں میں رکھ دیا جاتا تھا! اور یہ محرم کے روزے دار وہاں جا جا کر اپنی پیاس بجھا لیا کرتے تھے!

مجھے بارہا خانقاہوں میں محرم کی مجلسیں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ سب سے آخری مجلس کی یاد ابتک میرے دل میں تازہ ہے۔ چونکہ یہ سب سے آخری مجلس تھی۔ اس کے بعد قانون نے اس طرح کی مجلسیں ممنوع ٹھہرا دیں۔ اس لئے اسے ایک تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے میں اُس کا مختصر حال درج کئے دیتا ہوں۔

پرانی خانقاہ

باسفورس کی نیلگوں سطح کے کنارے، ایک سرسبز بلند پہاڑ پر، ایک عظیم خانقاہ تھی۔ محرم کے دنوں میں ایک دوست کے ساتھ میں اس خانقاہ میں گیا۔ تیسرا پہر تھا۔ پہاڑ دشوار گزار تھا۔ میں بہت تھک گیا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے عمارت میں داخل ہوتے ہی میں نے بے اختیار پانی مانگا۔ اپنی غلطی پر میں اب تک نادم ہوتا ہوں۔ ہر طرف سے درویشوں کی سیاہ تیز آنکھیں مجھ پر اٹھ گئیں اور غیظ و غضب سے گھورنے لگیں ایک آواز بلند ہوئی "خارجی!" دوسری آواز بلند ہوئی "یزیدی!" تیسری آواز بلند ہونے والی تھی کہ میرے دوست نے اُسے روک دیا۔ درویش میرے رفیق سے واقف تھے۔ اُسنے اُنھیں یقین دلایا کہ یہ شخص (یعنی میں) خارجی نہیں ہے۔ محب اہل بیت کرام اور صوفیوں کا معتقد ہے۔ یہ حرکت محض نادانستہ ہو گئی ہے!" اگر میں اس مکاری اور ریاکاری کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو یقیناً متاثر ہوتا اور عجب نہیں ان درویشوں کے ہاتھ چوم لیتا جو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں پیاسے رہتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم ایک وسیع ایوان میں مدعو کئے گئے۔ نماز باجماعت ہوئی۔ پھر مرثیہ شروع ہوا۔ واقعی نہایت پُر تاثیر مرثیہ تھا۔ حاضرین کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔

نماز کی جگہ دسترخوان

مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہم سمجھے اب نماز ہوگی۔ مگر نماز کے بجائے ہم "عاشورا کی دعوت" پر بلائے گئے۔ درویشوں کو ہماری یہ حرکت بہت ناگوار گذری کہ ہم نے کھانے پر نماز پڑھنے کو کیوں مقدم رکھا؟ جب ہم دسترخوان پر پہونچے تو گھنی داڑھیوں کے اندر اُنکے گال غصے سے لال نظر آ رہے تھے!

کھانا پُر تکلف تھا۔ مگر پانی کا نام نہیں۔ میں شروع ہی سے بہت پیاسا تھا۔ حلق میں لقمے اٹکتے تھے۔ مگر خوف سے پانی کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔ کھانا ختم ہو گیا۔ اب پانی کی امید بندھی مگر بالکل عبث۔ جہنمی پیاس کے ساتھ بیٹھا میں دل ہی دل میں اپنے رفیق کو کوس رہا تھا۔

سیاہ پوش پریوں کا غول!

اچانک ایک دروازہ کھلا اور ایوان میں سیاہ پوش پریوں کا غول داخل ہو گیا! مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ حقیقت سے

بے خبر نہ تھا۔ عاشورا کی مجلس کا خاتمہ ابھی نازنینوں کے ہاتھوں پر ہوا کرتا تھا۔ انکے چہرے کھلے ہوئے زہر شکن حسن سے تر، انکی آنکھوں سے شوخی ٹپک رہی تھی، ادائیں مستانہ۔ اور ہاتھوں میں جام اور بلوری صراحیاں، آموجود ہوئیں۔ دَور چلنے لگا۔ کس چیز کا دَور؟ پانی کا؟ نہیں۔ شربت کا؟ نہیں۔ مے کا! یا درویشوں کی اصطلاح میں "شراب طہور" کا! محرم کی مجلس! حسین علیہ السلام کا ماتم! اور ساغر و پیمانہ! یہ ساقی! یہ سال بھر کے بھوکے خانقاہ نشین درویش!

ساقی نے تین پھیرے کئے۔ یاران قدح نوش پر مستی طاری، کچھ عجب "سرور" کا عالم ہوا۔ ہر پہلو میں ایک ایک ساقی نے جگہ لے لی۔ پھر "نغمۂ معرفت" شروع ہوا۔ تمام حاضرین نے وجد کے ساتھ گانا شروع کیا۔ صرف ایک میں اپنی خشک طبعی کی وجہ سے اس "سعادت" سے محروم رہا تھا۔

اس "نغمۂ معرفت" کے چند بند ملاحظہ ہوں:

"کاف اور نون" (کُن) کے خطاب سے بھی پہلے ہم موجود تھے۔ قبل اس کے کہ کسی کو دیدار ربانی حاصل ہو، ہم رب سے قاب قوسین او ادنیٰ تھے!"

"آدم سے پہلے، حوا سے پہلے ہم حق تھے اور حق کے ساتھ "سِرّ مبہم" میں ہم آغوش تھے!"

"ہم ایک رات مریم بتول کے ساتھ رہے (معاذ اللہ) ہم ہی عیسیٰ مسیح کے باپ تھے!" (معاذ اللہ)

"ہمیں کو موسیٰ کلیم نے پکارا تھا "رب ارنی" (خدایا مجھے اپنا جلوہ دکھا)

"ہمیں نے موسیٰ کو جواب دیا تھا "لن ترانی" (تو مجھے ہرگز دیکھ نہیں سکتا)

"ہم ہی طور سینا پر جلوہ گر ہوئے تھے!........"

جب رات زیادہ گئی۔ درویش اور نازنین حجروں کی طرف بڑھے تو میں اپنے رفیق کے ساتھ دن بھر کی پیاس سے قریب موت، نیچا سے نیچے اُتر رہا تھا۔

حکومت نے اب "غم و ماتم" کی یہ مجلیس موقوف کر دی ہیں۔ استنبول کے عیاش، سابق خانقاہ نشین درویش، اُنکے غم میں مرے جا رہے ہیں گے۔

موجودہ ترکی حکومت کی اصلاحات الحاد و بے دینی سے تعبیر کی جاتی ہیں کہ اُسنے اس طرح کے تمام "مذہبی" اور "مقدس" اعمال و رسوم بند کر دئے ہیں۔ لیکن کیا آپکے قارئین کرام میں سے کوئی بزرگ مجھے بتلائیں گے کہ اسلام کے نقطۂ خیال سے اس طرح کی رسوم کیا حکم رکھتی تھیں؟ اور ان کا انسداد "الحاد" اور "بے دینی" ہے یا "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا قیام ہے؟

امیر البحر برسٹل اور ترکی انقلاب

امیر البحر برسٹل، ٹرکی میں امریکہ کے سیاسی نمائندے ہیں اس ہفتہ انھوں نے ترکی انقلاب کے متعلق اپنے خیالات یہاں کے اخبارات میں شایع کئے ہیں۔ اُنکے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"مشرق قریب میں میری زندگی کے یہ ۸ برس میری پوری پچھلی زندگی کے اہم ترین سال ہیں۔ میں نے اس مدت میں بے شمار عقلی ذہنی فوائد حاصل کئے۔ میں نے ایک قوم کی موت اور اُس کی دوبارہ زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھی!

"ٹرکی کا موجودہ انقلاب، درحقیقت تاریخ جدید کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ یہ انقلاب اچانک نہیں ہو گیا جیسا کہ بہت سے لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں۔ یہ سالہا سال سے اندر ہی اندر اپنی سرنگیں بچھا رہا تھا، یہاں تک کہ مناسب موقعہ پر نمایاں ہو گیا۔ بلا شبہ یہ انقلاب بہت جلد ہو گیا۔ لیکن اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ خوش قسمتی سے ٹرکی کو عین وقت پر ایسے اولوالعزم، مدبر، بہادر اور قابل رہنما مل گئے، جو بجا طور پر تاریخ کی عظیم ترین شخصیتوں کے ساتھ وزن کئے جا سکتے ہیں۔ ان ترکی رہنماؤں نے اپنی ان تھک کوششوں اور حیرت انگیز جوش سے ایک نہایت قلیل مدت کے اندر وہ نتائج حاصل کر لئے جنکے لئے قوموں کو صدیوں تک انتظار کرنا پڑتا ہے!

"کوئی شخص بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ٹرکی کی آخری جنگ، وطنی حکومت کا قیام، پھر سابق حکومت کی برطرفی، اور جمہوریت کی تاسیس، ایسے عظیم الشان واقعات ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گے، اور اُنکے ساتھ غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور اُنکے رفقاء کے نام بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے!

سنہ ۱۹۱۹ء میں جب میں یہاں پہونچا، تو قریب تھا، یہ ملک دنیا کے نقشے سے مٹ جائے۔ لیکن آج کیا حال ہے؟ آج ٹرکی صحیح معنوں میں خود مختار، طاقتور اور زندہ ملک ہے۔ ایک امید افزا مستقبل اُس کے سامنے ہے۔ میں بغیر کسی جھجھک کے اعلان کرتا ہوں کہ جب کبھی مجھے ٹرکی کی جنگ آزادی کا خیال آتا ہے، میرا سر اس شریف اور بہادر قوم کی عظمت کے سامنے جھک جاتا ہے!

"تلوار کا جہاد ختم ہو چکا۔ اب تجارتی و اقتصادی جہاد شروع ہوا ہے۔ یہ جہاد پہلے جہاد سے بھی زیادہ سخت ہے اور عظیم قربانیاں طلب کرتا ہے۔ اس میدان میں بھی ترک پوری طرح ساعی ہیں لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اب تک اُنھیں نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ملک کی ناتجربہ کاری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر کوششیں جاری رہیں تو ترک یہ میدان بھی سر کر لینگے۔ نئی ریلوں کا جاری ہونا، نئی بندرگاہوں کا کھلنا، نئی سڑکوں کی تعمیر، زراعت کی ترقی، تعلیم کا عموم، حفظان صحت کا اہتمام اور اقتصادی معاملات سے عام دلچسپی، یہ ساری باتیں ایک نہایت روشن مستقبل کی خبر دے رہی ہیں!

"عدل و انصاف اور امن و امان کا دَور دورہ اور ماہرین فن مالیات و اقتصادیات کی کثرت ہمیں بہت کچھ امیدیں دلا رہی ہے۔ پھر ٹرکی کا صلح جویانہ مسلک، اپنے پڑوسیوں سے دوستانہ تعلقات جنگی قوت کے عاجلانہ استعمال سے پرہیز، ایسی باتیں ہیں جو دنیا بھر میں ٹرکی کو معزز بنا رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ٹرکی، بدامنی اور فساد کے اس تنور (مشرق قریب) کی ہمیشہ یوں ہی نگرانی کرتا رہے گا اور اُسے کبھی پھٹنے نہیں دے گا"

"میں خیال کرتا ہوں کہ اب امریکہ، ٹرکی کو پہلے سے زیادہ جاننے پہچاننے لگا ہے۔ اہل امریکہ عملی لوگ ہیں، اور ہمیشہ صرف نتائج ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ قدیم ٹرکی کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اگر موجودہ حکومت نے موجودہ مساوات کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دکھایا (جیسا کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ کر دکھائیگی) تو کوئی وجہ نہیں کہ امریکہ میں بہت جلد عزت و عظمت حاصل نہ کرلے"

انگورہ۔قیصریہ ریلوے

گزشتہ ہفتہ "انگورہ۔قیصریہ" ریلوے ..... لائن کا افتتاح ہو گیا۔ یہ ریلوے مختلف حیثیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ جنگی نقطۂ نظر سے تو یہ ٹرکی کے لئے بمنزلۂ روح ہے۔ جنگ آزادی کے زمانے میں ترکوں نے یہ حقیقت معلوم کر لی تھی۔ دشمن انگورہ کے دروازوں پر کھڑا دستک دے رہا تھا اور ترکی فوجیں دُور دراز علاقوں میں بکھری پڑی تھیں۔ کیونکہ اندرون ملک میں کافی ریلوے لائنیں نہ تھیں۔ پہلے انگورہ سے قیصریہ تک گھوڑوں اور گاڑیوں پر چھ اور نو دن لگتے تھے۔ فوجی نقل و حرکت کے لئے اس سے کتنی مدت صرف ہوتی تھی۔ اب ریل بنجانے کے بعد یہ پوری مسافت صرف چند گھنٹے کی مسافت ہے!

تجارتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی یہ ریلوے بہت مفید ہوگی۔ اندرون ملک کی پیداوار بہ آسانی ہر جگہ منتقل کی جاسکے گی اور ضروری اشیاء بہ آسانی وہاں پہنچ جایا کرے گی۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ریلوے نے ترکی عزم و اہلیت کا ناقابل رد ثبوت بہم پہونچا دیا ہے۔ یہ ریلوے صرف ترکی سرمایہ اور ترکی محنت سے طیار ہوئی ہے۔ باہر کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی گئی۔ جب ترکی پارلیمنٹ نے اس کی اسکیم منظور کی تھی تو یورپ کے سرمایہ دار ہنستے تھے۔ وہ کہتے تھے ترک یہ کام تن تنہا انجام نہیں دے سکیں گے۔ لیکن ترکوں نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ انجام دے دیا اور یورپ کی زبانیں حیرت سے بند ہو گئیں۔

یہی سبب ہے کہ اس کے افتتاح پر تمام ملک نے مسرت کا عام مظاہرہ کیا۔ افتتاحی جلسہ بھی بڑا شاندار تھا۔ اس جلسہ میں عصمت پاشا وزیر اعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"قیصریہ کے باشندے ۴۰ سال سے کوشاں تھے کہ کسی طرح اُنکے زرخیز علاقے میں ریل جاری ہو جائے۔ مگر پچھلی حکومتوں کو اس کی توفیق نہ ملی۔ موجودہ جمہوریت نے ملکی آزادی کی طرف سے اطمینان حاصل کرتے ہی سب سے پہلا کام اپنے سامنے یہی رکھا تھا جسکی تکمیل آج ہمارے سامنے ہے۔ جب ہم نے اپنے داخلی پروگرام پر عمل کرنا چاہا اور ریلوے لائنوں کی تعمیر کا ارادہ کیا، تو ہر طرف سے صدائیں اُٹھیں "یہ ناممکن ہے" ہم نے کہا "ناممکن کیسے ہے؟ ہر باشندے کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی خوش حالی کے لئے کوشاں ہو۔ فرض بھی کبھی ناممکن ہوا کرتا ہے؟" ہم اپنی قدرت و قابلیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر دوسرے حلقوں سے ہماری بے چارگی اور بے قدرتی کا اعلان کیا جاتا تھا لیکن آج کسی کو ہمیں ناقابل کہنے کی جرات نہیں ہو سکتی۔ یہ ریلوے درحقیقت ہماری ایک داخلی اور خارجی فتح ہے۔ لیکن جس طرح ہماری جنگی فتوحات نے ہمیں مغرور اور غافل نہیں کیا تھا، اسی طرح یہ فتح بھی ہماری ہمتوں کو اور آگے بڑھائے گی۔ یہ ریلوے محض ایک ابتدا ہے۔ کئی اور اہم لائنیں طیار ہو رہی ہیں بہت سی عنقریب شروع کی جانے والی ہیں۔ ہم جلد تمام ملک میں، ایک سرے سے دوسرے سرے تک آہنی خطوط کا جال بچھا دینگے"

روسی انگریزی جھگڑا اور ٹرکی!

ادھر کئی مہینہ سے انگلستان اور روس کے تعلقات کی کشیدگی نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ ابھی تک جنگ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ لیکن اگر جلد تصفیہ نہ ہوا تو مستقبل قریب میں جنگ یقینی ہے۔ اگر یہ جنگ ہوئی تو اُس میں ٹرکی کی کیا حیثیت ہوگی؟

یہ سوال ہے جو اسوقت انگلستان، روس، اور خود ٹرکی میں ہر جگہ پوچھا جا رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس جنگ میں ٹرکی کو اپنے جغرافی محل وقوع کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگی۔ طرفین کوشاں ہیں کہ اُسے اپنے ساتھ ملالیں۔ مگر جہاں تک ترکی کی عام رائے کا تعلق ہے، روس کی طرف رجحان عام ہے ترکی اخبارات روس کی حمایت میں مضامین شایع کر رہے ہیں اور کہتے ہیں روس نے ٹرکی کی اُسوقت مدد کی تھی، جب انگلستان نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ ملکر اُسے نیست و نابود کر دینے کی

ٹھان لی تھی۔

اس سوال پر ترکی حکومت بھی سنجیدگی سے غور کر رہی ہے، کیونکہ جنگ کی صورت میں اُسے لامحالہ کسی ایک فریق کا ساتھ دینا پڑے گا۔

مکتوب عراق

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بغداد کے قلم سے)
(عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

تعلیم

مجھے اپنے اس پہلے مراسلہ میں عراق کی تعلیمی حالت پر کچھ نہ کچھ تبصرہ ضرور کرنا چاہئے۔ کیونکہ تعلیم کا معاملہ نہایت اہم ہے، خصوصاً عراق جیسے ملک کے لئے جو خود مختاری کے لئے بے چین ہے مگر فقدانِ علم کی وجہ سے اپنی آرزو پوری نہیں کر سکتا۔

بدنصیبی سے عراق میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئی درس گاہ موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عراقیوں کو بیرونی دنیا پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ زیادہ تر طالب علم قسطنطنیہ اور بیروت جاتے ہیں۔ کچھ کلکتہ بھی بھیجے گئے ہیں۔ یورپ اور امریکہ جانے والوں کی تعداد ابھی بہت کم ہے۔

موجودہ حکومت نے یا تو اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ ہی نہیں کی یا کی مگر موانع حائل ہوگئے۔ بہرحال عراق میں اعلیٰ تعلیم بالکل مفقود ہے۔ البتہ حکومت ابتدائی تعلیم کی اشاعت میں زیادہ مستعدی کا اظہار کر رہی ہے۔ اسوقت ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد ۲۳۸۰۰ ہے۔ مکاتب میں ۱۳۴۵۵ ہے۔ اور شبینہ مدرسوں میں ۲۰۷۸ ہے یعنی کل تعداد ۳۹۳۳۳ ہے۔ یہ تعداد اگر گذشتہ سالوں کے مقابلہ میں رکھی جائے، تو تقریباً ڈیوڑھی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ثانوی (سکنڈری) تعلیم کا درجہ ہے اور اسی تناسب سے اُس کی ترقی بھی ہونا چاہئے۔ لیکن یہاں صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ حکومت نے بغداد، موصل، نجف، بصرہ، حلّہ، عمارہ، کرک، سلیمانیہ میں ثانوی مدرسے قائم کئے ہیں مگر طالب علموں کی تعداد ابتک ۷۶۱ سے زیادہ نہیں ہوسکی!

ابتدائی اور ثانوی کے علاوہ دو مدرسے معلمین کی تعلیم کے لئے بھی ہیں۔ ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ اول الذکر میں طالب علموں کی تعداد ۲۹۵ ہے اور ثانی الذکر میں ۸۸۔

تعلیم کی زبان عربی ہے اور درجۂ تعلیم کچھ زیادہ پست نہیں ہے۔ البتہ مدرسۃ الحقوق (یعنی مدرسۂ قانون) اور مدرسۃ الہندسہ (یعنی انجینیری کے اسکول) میں تعلیم کا معیار نہایت ناقص ہے۔ اس لئے کہ یہاں بھی تعلیم عربی ہی میں ہوتی ہے۔ اور عربی زبان میں ان علوم پر کتابیں بہت کم ہیں۔ عراقی طالب علم چونکہ کوئی یورپین زبان جانتے نہیں، اس لئے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا ہے کہ صرف اُن یادداشتوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے جو طلبا اساتذہ کی تقریروں سے طیار کر لیتے ہیں۔

البتہ ایک بات بہت امید افزا ہے اور وہ یہ ہے کہ اب حکومت نے اپنے خرچ سے طالب علموں کو یورپ اور امریکہ بھیجنا شروع کر دیا ہے۔ اسوقت ان طالب علموں کی تعداد چالیس تک پہنچی ہے لیکن اسی سال ۷۰ کا اور اضافہ بھی ہونے والا ہے۔ انکے علاوہ چند طالب علم وزارت جنگ نے انگلستان بھیجے ہیں اور محکمہ بیطری نے چند لڑکوں کو کلکتہ کی درس گاہوں میں بھیجدیا ہے۔

امیر فیصل سے ملاقات

چند دن ہوئے امیر فیصل "شاہ عراق" نے ایک مصری اخبار نویس کو اپنی ملاقات کا موقعہ دیا۔ مقامی اخبارات نے ملاقات کی حسب ذیل تفصیل شائع کی ہے:

انگریزی عراقی معاہدہ کے متعلق امیر فیصل نے کہا "اس معاہدہ کی مدت، ۱۹۲۸ء کے آغاز میں ختم ہوجائے گی۔ معاہدہ میں ایک دفعہ اس بارے میں موجود ہے کہ ہر چار سال بعد معاہدہ کی تجدید یا ترمیم ہوا کرے گی۔ عراق میں جوں جوں قابلیت پیدا ہوتی جائے گی، برطانیہ اُسے زیادہ آزادی اور حقوق دیتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دن مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) کا ممبر ہوجائے گا، اور دُنیا کے دوسرے خود مختار ملکوں کی طرح ایک خود مختار ملک کی زندگی بسر کرسکے گا"

امیر فیصل نے کہا "مجھے یقین ہے عراق بہت جلد یہ درجہ حاصل کرلے گا۔ بہت جلد سے میری مراد ایک دو سال ہے"

مجھے اُمید ہے آپکے قارئین کرام کا ذوق سیاسی اس سے مستغنی ہوگا کہ میں امیر کے بیان پر رائے زنی کروں۔

عراق کی حکومت کو اب تک بیرونی سلطنتوں نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس کے متعلق امیر فیصل نے کہا:

"ہماری نظر میں اس مسئلہ کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ جن سلطنتوں کے فوائد عراق سے وابستہ ہیں، وہ ایک نہ ایک دن ہماری حکومت کے اعتراف پر ضرور مجبور ہوجائیں گی۔ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔ مستقبل قریب میں ہم ٹرکی سے سیاسی تعلقات قائم کرسکیں گے۔ حکومت ایران کے نمائندے نے اگرچہ مجلس اقوام میں عراقی حکومت کا وجود تسلیم کرلیا ہے مگر طہران کی مرکزی حکومت نے اب تک عملی اعتراف کا کوئی ثبوت نہیں دیا"

اب تک عراق کے قنصل دوسرے ملکوں میں موجود نہیں ہیں۔ بیرونی دنیا میں عراق کے معاملات کا ذمہ دار صرف برطانیہ ہے۔ اس صورت حال کی تاویل ہمارے "خود مختار بادشاہ" نے یہ کی:

"عراق کو اس کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ کیونکہ بجز ایران اور ٹرکی کے بیرونی دنیا میں ہمارے مصالح کہیں بھی نہیں ہیں۔ جب ان دو نوں پڑوسیوں سے ہماری مفاہمت ہوجائے گی تو ہم سیاسی نمائندوں کا تبادلہ کریں گے۔ دوسرے ملکوں سے اس طرح کے علائق پیدا کرنے کا ہمیں کوئی خیال نہیں ہے!"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ عراق کی "دو سال کے اندر" ملجانیوالی "خود مختاری" کے ساتھ یہ توجیہ کہاں تک جمع ہوسکتی ہے؟ مصر کے موجودہ ذہنی انقلاب کے متعلق امیر نے یوں اظہار خیال کیا:

"میں نے اس ذہنی انقلاب کی پوری تحقیق نہیں کی ہے: اس لئے میری رائے چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم اپنی محدود واقفیت کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر مصر برابر اسی طرح ذہنی ترقی کرتا گیا تو بہت جلد مغربی قوموں کے برابر ہوجائے گا۔ البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ ذہنی انقلابوں کی بنیادیں ہمیشہ قومی روایات پر قائم ہونا چاہئیں۔ اسوقت مصر، تمام عربی ممالک کے لئے شمع ہدایت بنا ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسکی ذہنی ترقی صالح روایات پر مبنی ہو، تاکہ دوسری عربی قومیں بھی اپنی عربیت و قومیت قائم رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دے سکیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ قومی بیداری صرف عقل و ذہن ہی تک محدود نہیں رہنا چاہئے۔ عملی بیداری بھی ہونی چاہئے۔ مجھے افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مشرق کی موجودہ بیداری محض ذہنی و نظری ہے۔ حالانکہ قومیں عملی بیداری ہی سے کامل قومی ترقی حاصل کرسکتی ہیں"

عراقی فوج اور برطانیہ

انگریزی عراقی معاہدہ کی ایک دفعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۸ء میں معاہدہ پر نظر ثانی کی جائے گی، اور برطانیہ اپنی تمام فوجی قوت ملک سے ہٹالے گا۔

اب جبکہ یہ مدت ختم ہو رہی ہے تو قدرتی طور پر عراقی حکومت کو خیال ہوا کہ اپنی قومی فوج میں اضافہ کرے۔ چنانچہ اُسنے جبری بھرتی کی تجویز منظور کرلی۔ برطانی ہائی کمشنر پہلے تو برابر خاموش رہا، لیکن جب حکومت نے عملاً کارروائی شروع کردینی چاہی تو اُسنے اعتراض کیا اور اس تجویز سے حکومت کی مخالفت ظاہر کی۔

اُسنے اپنے نوٹ میں لکھا ہے

"عراق کی مدافعت صرف عراقی فوج نہیں کرسکتی۔ اُسے برابر انگریزی قوت کی ضرورت ہے۔ عراق کے پاس ہوائی بیڑہ موجود نہیں ہے۔ اس بیڑے اور فوج کی تنظیم کے لئے کافی روپیہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا جبری بھرتی کی تجویز ناقابل عمل ہے۔ علاوہ بریں یہ غیر ضروری بھی ہے۔ کیونکہ برطانیہ اپنی "دوستی" میں برابر "وفادار" ہے اور عراق کی مدافعت کی ذمہ داری قبول کرچکا ہے"!

یہ ہے ہمارے امیر کی وہ موعودہ خود مختاری جس کا دو تین سال کے اندر انہیں انتظار ہے!

برطانی ہائی کمشنر کے اس اعتراض پر عراقی وزارت نے اپنا استعفا پیش کردیا۔ مگر امیر نے منظور نہیں کیا اور اسپر زور دیا کہ حکومت برطانیہ سے مزید گفت و شنید جاری کی جائے۔

اسوقت صرف یہ فوج ہی کی مشکل درپیش نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا معاملہ بھی درپیش ہے۔ عراقی حکومت نے برطانیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ریلوے اور بندرگاہ سے دست بردار ہوجائے جیسا کہ اُسنے وعدہ کیا تھا مگر برطانیہ اسپر آمادہ نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ کیوں آمادہ ہو؟

کویت کی پنچایت

نجد و عراق میں کئی سال ہوئے ایک معاہدہ ہوا تھا اور فریقین نے اتفاق کیا تھا کہ وقتاً فوقتاً عراقی اور نجدی نمائندوں کی پنچایت منعقد ہوا کرے اور قبائل کے تمام باہمی معاملات کا فیصلہ اُسی کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ اس قسم کی ایک پنچایت اسی ماہ کویت میں منعقد ہونے والی ہے۔ کیونکہ ادھر عراقی نجدی قبائل میں کئی لڑائیاں اور غارت گریاں ہوچکی ہیں۔

کردستان

سلیمانیہ کی کمشنری میں کردوں کے دو علاقے "شاہ بازار" اور "بنجوین" اب تک حکومت عراق کے مطیع نہیں ہوئے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان علاقوں کے باشندے قرب و جوار کے علاقو پر حملے بھی کرتے رہتے تھے۔ اس ہفتہ حکومت نے "بنجوین" کے شہر پر فوجی قبضہ کرلیا ہے اور مشہور کردی زعیم شیخ محمود سے لڑائی ہورہی ہے

فلسطین

قومیں مرکر پھر کس طرح جی اٹھتی ہیں؟

اسرائیل کے منتشر گھرانے کا اجتماع!

صیہونی تحریک

اس ہفتہ کی ڈاک میں ہمارے مقالہ نگار فلسطین کی کوئی تحریر نہیں آئی ہے۔ ممکن ہے کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہو۔ لیکن مصری معاصر "السیاسۃ" میں اُس کے نامہ نگار کی ایک نہایت دلچسپ تحریر شائع ہوئی ہے۔ چونکہ اس کا موضوع اہم اور ضروری ہے اس لئے ہم بریدِ شرق کے سلسلہ میں اس کا ترجمہ یہاں درج کر دیتے ہیں۔

یہودیوں کی پراگندگی

پہلی صدی مسیحی میں رومن بھیڑیے نے اسرائیل کی بھیڑوں کا سراغ لگا لیا، اور پھر اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس گھرانے کا پورا گلہ یا تو ہلاک ہوگیا، یا منتشر ہوگیا۔ اپنے وطن سے بھاگ کر یہودی دنیا بھر میں بکھر گئے۔ لیکن جہاں بھی پناہ لی، مارے، ستائے، اور ذلیل کئے گئے۔ لیکن یہ قوم ایسی سخت جان تھی کہ ہر قسم کی بربادیوں اور قتل عام پر بھی زندہ رہی۔ صرف زندہ ہی نہیں رہی بلکہ اپنا اجتماعی شیرازہ بھی دست بُردِ زمانہ سے محفوظ رکھا۔

عربوں یا مسلمانوں کا عہد، یہودیوں کے لئے سب سے زیادہ مبارک ثابت ہوا۔ اسلامی ملکوں میں وہ ظلم و ستم سے محفوظ ہوگئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھیں پوری شہری اور مدنی آزادی حاصل ہوگئی۔ وہ اپنے تمام مذہبی شعائر قائم رکھ سکتے تھے اور اپنے تمام اجتماعی و معاشرتی اعمال میں خود مختار تھے۔ متعدد یہودی مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ اگر اسلام کی سیاسی قوت قائم نہ ہوجاتی، تو یہودی قوم قطعاً برباد ہوجاتی!

اپنی آخری بدنصیبی کے ابتدائی دور کے بعد اس قوم کے لئے سب سے زیادہ سخت زمانہ وہ تھا، جب اسلامی سلطنتیں تہ و بالا ہونے لگیں اور مسیحیت نے ازسرِ نو سنبھالا لیا۔ اس منحوس عہد میں یہودیوں کی پراگندگی آخری حد تک پہنچ گئی۔ تاریک قرونِ وسطیٰ (مڈل ایجز) کے مسیحی تعصب نے انھیں بُری طرح برباد کیا۔ کوئی مسیحی ملک نہ تھا جہاں یہودیوں پر عام جہاد کا اعلان نہ کر دیا گیا ہو۔ اُن کے معبد بند کر دئے گئے۔ اُن کی انجمنیں توڑ دی گئیں۔ اُن کی کتابیں جلا دی گئیں۔ اُنکے علماء پھانسی پر لٹکائے گئے۔ انھیں مجبور کیا گیا کہ اپنا دین چھوڑیں یا قتل اور آگ میں جلنا منظور کریں!

بالآخر یہ تاریک دن بھی نکل گئے۔ نئی تہذیب کا سورج ظلمت کدۂ مغرب میں طلوع ہوا اور "اسرائیل" کی مُردہ لاش نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کیا۔ دنیا سمجھی تھی یہ قوم فنا ہوگئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتی ہے کہ اس میں زندگی کے آثار پوری طرح موجود ہیں۔ اب یورپین ملکوں میں یہودیوں کو دینی و اجتماعی آزادی مل گئی اور وہ امن سے زندگی بسر کرنے لگے۔

مگر یہ دن زیادہ دراز نہیں نکلے۔ مسیحی یورپ نے یہودیوں سے سیاسی خطرہ محسوس کیا اور ازسرِ نو ظلم شروع کر دیا۔ اس مرتبہ دینی تعصب کی جگہ سیاسی تعصب کارفرما تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک تقریباً یہی حالت رہی۔ یہودیوں کی مخالف تحریک کو اُس وقت کی بول چال میں "L' ANTI-SEMETIONE" یعنی مخالف سامی تحریک کہتے تھے۔ حالانکہ یہودیوں کو غیر سامی قرار دینا خود ایک سخت ظلم تھا۔ یہودی ہی دنیا میں خالص ترین سامی ہیں۔

یہودی مفکرین نے نہایت دانشمندی سے اب یہ طے کیا کہ اس ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ اپنی ظاہری قومی خصوصیات، مثلاً زبان، لباس، طرز بود و باش سے دست بردار ہوجائیں، اور جس ملک میں رہیں، اسی کی وضع و قطع اختیار کرلیں تاکہ مخالفین کا تعصب اور ظلم کم ہوجائے۔ لیکن یہ تجویز بھی کچھ زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی۔ خصوصاً روس میں جہاں یہودیوں کا قتل عام جاری تھا۔

وطنی مرکز کی طرف عود

اب یہودیوں میں اچانک ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ فلسطین کی یاد ہر زمانہ میں انھیں بےچین رکھتی تھی۔ لیکن یہ یاد محض روحانی تھی۔ اب جو خیال پیدا ہوا اُس نے فلسطین کو ایک نئے روپ میں دکھایا۔ انھیں نظر آیا کہ یہ مقدس وطن جس سے نکلے ہوئے دو ہزار برس ہو چکے ہیں، ازسرِ نو اُن کا وطن بن سکتا ہے۔

اس دعوت کا مُبشّر ایک روشن خیال، متدین، آسٹریا کا یہودی اخبار نویس تھا۔ اس کا نام ڈاکٹر تھیوڈر ہرٹزل تھا۔ اس نے اپنی دعوت اُس وقت شروع کی جبکہ روس اور فرانس میں یہودیوں کے حقوق تلف ہو رہے تھے۔ اس نے ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب "یہودی سلطنت" کے نام سے شائع کی اور قوی دلائل سے ثابت کیا کہ "یہودی مسئلہ کا تنہا حل یہی ممکن ہے کہ تمام یہودی ایک ملک میں جمع ہوجائیں، اور تمام سلطنتیں اُنکے ملکی خود مختاری تسلیم کرلیں"

یہ دعوت دنیا بھر کے یہودیوں نے پسند کی اور ۱۸۹۷ء میں اپنی پہلی کانفرنس شہر "بال" میں منعقد کی۔ اسمیں مختلف ملکوں سے دو سو یہودی نمائندے شریک ہوئے تھے۔

اب سے تیس برس پہلے روس کے یہودیوں میں فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کی تحریک موجود تھی۔ کئی سو یہودی ہجرت کر بھی چکے تھے اور بیت المقدس میں ایک انجمن "محبین صیہون" کے نام سے قائم بھی ہوگئی تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ دنیا بھر کے یہودیوں کو سرزمین مقدس کی طرف ہجرت کی دعوت دی جائے۔ مگر یہ انجمن کامیاب نہیں ہوئی۔ صرف چند زراعتی نوآبادیاں فلسطین میں قائم ہوسکیں۔

لیکن "بال کانفرنس" نے قومی وطن کی تحریک منظم کرلی اور اسے یہودیوں کی قومی تحریک بنا دیا۔ اس تحریک کا نام "صیہونی تحریک" قرار پایا (صیہون، ایک پہاڑ کا نام ہے جس کی بابت توراۃ میں لکھا ہے کہ بیت المقدس اسی پر تعمیر ہوا تھا) اور اُس کے لئے ایک قابل عمل پروگرام طیار کیا گیا۔ پروگرام حسب ذیل تھا:

"صیہونی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک ایسا قومی وطن پیدا کیا جائے جس کی حمایت بین الاقوامی قانون کے ذمہ ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے مندرجہ ذیل وسائل اختیار کئے جائیں:

(۱) یہودی کاشتکاروں اور دستکاروں کو فلسطین کی طرف ہجرت پر آمادہ کیا جائے۔

(۲) مقامی اور بین الاقوامی انجمنوں کے ذریعہ یہودیوں کی شیرازہ بندی کی جائے۔

(۳) یہودی قومیت کا جذبہ تمام قوم میں جگایا جائے۔

(۴) عثمانی حکومت کو یہودی وطن کی تجویز قبول کر لینے پر آمادہ کیا جائے۔

عملی جد و جہد کا آغاز

اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے وائنا میں مرکزی انجمن قائم کی گئی اور ڈاکٹر ہرٹزل نے جد و جہد شروع کر دی۔ اُس نے ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء تک کئی مرتبہ سلطان عبدالحمید سے ملاقاتیں کیں اور انھیں یہ تجویز قبول کر لینے پر بہت بہت راغب کیا، مگر وہ برابر انکار ہی کرتے رہے۔ جب اُدھر سے بالکل نا امیدی ہوگئی تو ڈاکٹر نے برطانیہ سے گفت و شنید شروع کی اور جزیرہ نمائے سینا میں یہودی نوآبادی قائم کرنے کی اجازت چاہی۔ برطانیہ نے اسے منظور کر لیا، اور مصری حکومت بھی آمادہ ہوگئی کہ یہ علاقہ یہودیوں کے حوالہ کر دے۔ مگر بعد میں اس تجویز پر عمل نہیں کیا جا سکا، کیونکہ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ صحرا آبادی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر ہرٹزل نے پھر انگریزی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اُس نے یہودیوں کو جنوب افریقہ میں ایک وسیع علاقہ پیش کر دیا۔ لیکن چھٹی یہودی کانفرنس نے اسے بھی نامنظور کر دیا کیونکہ زمین کے ماہروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا "یہ سرزمین بھی آبادی کے لئے موزوں نہیں ہے"

ڈاکٹر ہرٹزل کا ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوگیا۔ لیکن مرنے سے پہلے دو کام ایسے کر گیا جو یہودی قومیت کے نئے عملی بنیاد بن گئے۔ ایک "یہودی نوآبادی بینک"، اور دوسرا "یہودی بیت المال"۔

اس کے بعد بھی صیہونی کانفرنسیں برابر منعقد ہوتی رہیں اور یہودیوں میں قومی روح پھونکتی رہیں۔ اُن کی نظر فلسطین پر لگی ہوئی تھی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ ترکی حکومت اس بارے میں [illegible] نہیں چاہتی تھی۔ خود فلسطین کے مسلمان اور عیسائی باشندے بھی اسے گوارا کرنے کے لئے طیار نہ تھے۔

عالمگیر جنگ عالم

۱۹۱۴ء میں جنگ [illegible] یورپ [illegible]، اور اُس کے ساتھ یہودیوں میں بھی نئی [illegible] پیدا ہوگئی۔ اُنکے [illegible] نے [illegible] کیا کہ جرمنی، ترکی اور [illegible] کے اتحادیوں کی فتح سے [illegible] کا [illegible] ہوگا [illegible] ہوگا۔ لہذا [illegible] برطانیہ کا ساتھ دیا اور جنگ میں اپنی دولت و اثر سے [illegible] کی بڑی مدد کی۔

اس تمام جد و جہد کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ یہودیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوگئی۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کا دن ان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ یہی وہ دن ہے جبکہ برطانیہ نے یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی تجویز منظور کی۔ یہ یادگار دستاویز "تصریح بالفور" کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ اُس وقت لارڈ بالفور برطانیہ کے وزیر خارجہ تھے۔ انہی نے انگلستان کے مشہور یہودی سرمایہ دار لارڈ راتھچیلڈ کے نام سرکاری مراسلہ بھیجا تھا۔ اس [illegible] کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

تصریح بالفور

"میں انتہائی مسرت سے حکومت برطانیہ کی جانب سے آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ ہز مجسٹی کی حکومت فلسطین میں یہودی قومی وطن کا قیام پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرے گی۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ برطانیہ کوئی ایسی بات نہیں کر سکتی جو فلسطین کے غیر یہودی باشندوں کے

دینی یا شہری حقوق کے منافی ہو۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ یہ تصریح صیہونی انجمن تک پہونچا دیں"

یہ تصریح دراصل ڈاکٹر حائیم ویزمان کی کوششوں سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ اُسوقت صیہونی انجمن کی انتظامی مجلس کے ممبر تھے اور اب اُس کے صدر ہیں۔ اس تصریح کے صادر ہوتے ہی فرانس، اٹلی، جاپان، اور امریکہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ یہودیوں نے ایک لمحہ ضایع کئے بغیر عملی کارروائیاں شروع کر دیں۔ ڈاکٹر ویزمان کی صدارت میں ایک نمائندہ وفد فلسطین بھیجا گیا تاکہ برطانوی حکام کی تائید سے یہودیوں کی مہاجرت اور آبادی کا سامان مہیا کرے۔

یہودیوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ مجلس اقوام سے بھی اس کی تصدیق چاہی۔ چنانچہ فلسطین کی برطانوی وصایۃ (مینڈیٹ) کی دستاویز کے دیباچہ میں تحریر ہے "تمام دول اتحاد اس بات پر متفق ہیں کہ برطانوی سلطنت اُس تصریح کو عملاً کامیاب بنانے کے لئے ذمہ دار ہے جو ۲ نومبر کو اُس کی جانب سے ظاہر کی گئی ہے"

اس دستاویز کی دفعہ ۲ میں ہے:

"حکمبردار حکومت اس امر کی ذمہ دار ہے کہ ملک (فلسطین) میں ایک ایسی سیاسی، انتظامی، اقتصادی صورت حال پیدا کر دے جو یہودی وطن کے قیام کے لئے ضروری ہے"

چوتھی دفعہ میں ہے:

"یہ طے پا گیا کہ یہودیوں کی نمائندہ مجلس، فلسطین میں ایک ذمہ دار مجلس تسلیم کی جائے گی، اور اُن تمام اقتصادی واجتماعی معاملات میں اُس سے مشورہ لیا جائے گا جن کا تعلق "یہودی وطن" سے ہے۔ یہ بھی طے پا گیا کہ صیہونی انجمن ہی ایک ایسی مجلس ہے جو یہودیوں کی قائم مقام اور ذمہ دار ہے۔ لہذا وہ اُسوقت تک یہودیوں کی نمائندہ تسلیم کیجائے گی جب تک اپنی یہ حیثیت برقرار رکھیگی۔ لہذا صیہونی انجمن کو اختیار دیا جاتا ہے کہ برطانیہ کے مشورے سے وہ تمام تدابیر اختیار کرے جن سے "قومی وطن" کے لئے دُنیا بھر کے یہودیوں سے امداد و اعانت حاصل کی جا سکتی ہو"

غرضکہ اس دستاویز میں اسی طرح کی اور بھی کئی تصریحیں موجود ہیں۔

اجراء، عمل، اور ترقی!

جس دن سے بالفور کی تصریح جاری ہوئی ہے، یہودی اپنی تجویز کو حیرت انگیز سرگرمی اور جوش سے عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اُنھوں نے کئی مجلسیں بنا رکھی ہیں:

(۱) عام صیہونی انجمن۔ اس کی ۶۷ شاخیں ہیں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس انجمن میں ہر یہودی مقررہ فیس ادا کر کے داخل ہو سکتا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں اس کے ممبروں کی تعداد ۶ لاکھ تیس ہزار تھی۔ اس انجمن کی سالانہ کانفرنس درحقیقت صیہونی تحریک میں سب سے زیادہ بااختیار مجلس ہوتی ہے۔ یہی پروگرام بناتی، عزل ونصب کرتی، میزانیہ منظور کرتی اور سال کے لئے مختلف مجلسیں منتخب کرتی ہے۔

ان کمیٹیوں میں سب سے زیادہ اہم اُس کی جمعیتہ عالمہ اور مرکزی جمعیتہ ہے۔ جمعیتہ عالمہ میں دس ممبر ہوتے ہیں۔ ۵ ہمیشہ لندن میں رہتے ہیں اور ۵ بیت المقدس میں۔ ان کا کام اُن تمام قضایا اور سیاسی مسائل کا حل کرنا ہے جن کا تعلق فلسطین کے یہودیوں سے ہے۔

(۲) مالی مجالس۔ ان سے مقصود یہودی وطن کی مالی ضروریات کا پورا کرنا ہے۔ یہ مجالس دراصل تین بینک ہیں:

(۱) یہودی نوآبادی بینک۔ اس کا دفتر لندن میں ہے اور اس کا راس المال تیس لاکھ پونڈ ہے۔

(۲) فلسطینی انگریزی انجمن۔ اس کا راس المال بھی ۳۰ لاکھ پونڈ ہے

(۳) یہودی بیت المال۔ اس کا دفتر بھی لندن میں ہے اور سرمایہ ۲۲ لاکھ پونڈ ہے۔

یعنی یہودیوں کی قومی تحریک کے پاس اسوقت ۸۲ لاکھ پونڈ ۱۲ کرور روپیہ موجود ہے۔

یہ ہے وہ عملی قوت جس سے قومیں مرکز زندہ ہوتی ہیں! یہ وہ قوم تھی جس کا حوادث عالم خاتمہ کر چکے تھے جس کی پیشانی پر ذلت ومسکنت کی مُہر لگ چکی تھی۔ جو دنیا کے ہر گوشہ میں مظلوم، بے بس، اور تباہ حال تھی۔ جس کی کل تعداد چند ملین نفوس سے زیادہ نہیں۔ بایں ہمہ جب اُسنے زندہ ہونے اور زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا تو دنیا کی کوئی رکاوٹ بھی اس کی راہ نہ روک سکی۔ حتیٰ کہ بڑی بڑی طاقتور حکومتوں کو بھی راستہ خالی کر دینا پڑا!

لیکن اُس کے مقابلہ میں ہمارا کیا حال ہے؟ اُن مشرقی اقوام کا کیا حال ہے جو صدیوں سے حکمرانی کرتی آئی ہیں۔ جو اب بھی حکومت کی عزت سے محروم نہیں، جنھیں حکومت کے تخت سے اُترے ابھی پُوری ایک صدی بھی نہیں گزری ہے۔ جن کی تعداد کروڑوں نفوس سے متجاوز ہے۔ اور جو اپنی قومی کامرانیوں اور فتحمندیوں کی ایک مسلسل اور قریبی تاریخ رکھتی ہیں؟

جواب کی ضرورت نہیں، لیکن یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا جب غفلت دُور ہو گی اور دانش رفتہ واپس آجائے گی؟ ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہٗ قلب او القی السمع وہو شہید!

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیروت کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

شام کا مستقبل

شام کے فرانسیسی ہائی کمشنر ایم ہنری پونسو، مدت سے پیرس میں مقیم ہیں۔ ملک میں عام طور پر خیال کیا جا رہا ہے کہ ان کی غیر حاضری محض اسوجہ سے ہے کہ نئی اصلاحات کے اجراء کے لئے وہ مرکزی حکومت سے مشورے کر رہے ہیں۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا اُن کی اس پُراسرار غیر حاضری کی اصلی وجہ کیا ہے؟ لیکن اس کی وجہ سے ملک میں عام بےچینی پھیلی ہوئی ہے۔ ایک گروہ اس صورت کو نیک شگون سمجھتا ہے اور بڑے بڑے ہوائی قلعے بنا رہا ہے۔ دوسرا گروہ اسے شگون بد سمجھتا ہے اور ناامیدی کا اظہار کر رہا ہے۔ شاید ہائی کمشنر کے رُوپوش کر دینے میں حکومت کی بھی یہی مصلحت تھی کہ ملک کے جذبات میں اختلاف حال پیدا ہو جائے اور متحدہ مطالبے کی قوت کمزور پڑ جائے۔ اگر یہی مصلحت تھی تو اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک حد تک کامیاب ہوئی ہے!

آئندہ شام کا نظام حکومت کیا ہوگا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب اسوقت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ خود فرانس بھی نہیں دے سکتا۔ شام کے بارے میں فرانس کی پالیسی ابتک نہایت مضطرب رہی ہے۔ کبھی وہ چاہتا ہے اس ملک کو الجزائر کی طرح اپنا ایک محکوم نوآبادہ علاقہ بنالے۔ کبھی سوچتا ہے کہ ٹیونس کی سی برائے نام ریاست قائم کر دے۔ کبھی امیر عبدالقادر الجزائری مرحوم کی اولاد کی طرف میلان ظاہر کرتا ہے۔ کبھی شام کے تخت کے لئے سلطان عبدالحمید کے کسی لڑکے کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ کبھی شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بیٹوں پر اُس کی نظر پڑتی ہے۔ غرضکہ اُس کا مسلک ابتک استوار نہیں ہوا ہے۔

شام کی موجودہ مشکلات درحقیقت اسی سیاسی اضطراب کا نتیجہ ہیں۔ جب تک فرانس اپنی روش مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں کرے گا، اُسوقت تک یہ مشکلات دُور نہیں ہوں گی۔

ایک نیا نظریہ

آجکل دمشق میں مغرب اقصیٰ کے ایک وزیر سید قدور بن غبریط آئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی آمد کی غرض یہ بتائی ہے کہ پیرس کی مسجد کے لئے چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں کی عام رائے اسے تسلیم نہیں کرتی۔ لوگ کہتے ہیں یہ کام اتنا اہم نہ تھا کہ اس کے لئے ایک وزیر اپنے فرائض وزارت چھوڑ کر اتنا طویل سفر اختیار کرتا۔ پھر اگر یہ کام اتنا ہی اہم تھا تو بھی شام میں چندہ کی تحریک کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ملک اندرونی شورشوں سے برباد ہو رہا ہے۔ چندے کے لئے سب سے مناسب مقام، مصر اور ہندوستان تھے۔ (ہم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ "سب سے مناسب مقام" اب اگر صرف مصر ہی کو سمجھا جائے تو ہندوستان کو کوئی شکایت نہ ہوگی!۔ الہلال)

پھر آخر سید قدور بن غبریط کیوں آئے ہیں؟ اس کا جواب وہی دیا جا رہا ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، یعنی فرانس کی سیاسی حکمت عملی کا اضطراب۔ خیال کیا جاتا ہے اب فرانس، شام کو مراکش کے ماتحت کر دینا چاہتا ہے۔ اس کی صورت یہ تجویز ہوئی ہے کہ "سلطان" مراکش کے بھائی یا لڑکے کو شام کا "بادشاہ" بنا دیا جائے گا۔ اور حکومت کی باگیں مراکش کے فرانسیسی حکام کے ہاتھوں میں ہیں گی!

اگر یہ افواہ صحیح ہے تو بدنصیب شام کی طرح فرانس کے تدبر پر بھی ماتم کرنا چاہیئے۔ شام، مراکش سے کہیں زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ملک ہے۔ بھلا شامی یہ تجویز ایک لمحہ کے لئے بھی قبول کر سکتے ہیں کہ مراکش کے ماتحت ہو جائیں؟ جب سے یہ افواہ مشہور ہوئی ہے ہر طرف عام ناراضی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ شام کے باشندے بڑے مہمان نواز ہیں، مگر اس افواہ نے اُنھیں سید قدور سے سخت متنفر کر دیا ہے۔ چند دن کی بات ہے کہ دمشق کی بلدیہ (میونسپلٹی) کے رئیس نے مراکشی مہمان کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا اور معززین شہر کو خطوط کے ذریعہ دعوتیں بھیجی تھیں۔ مگر چونکہ اُسوقت تک یہ افواہ پھیل چکی تھی، اس لئے چھ سات آدمیوں سے زیادہ دعوت میں مجمع نہ ہو سکا اور اس مہمان "عزیز" نے معلوم کر لیا کہ شام اب اُنھیں اُنکے مقصد سفر سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتا!

جہاد آزادی

"دروز" ابتک جہاد آزادی سے تھکے نہیں ہیں۔ بلاشبہ اُنھیں سخت نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ مٹھی بھر قوم اور فرانس جیسی سلطنت سے جنگ! تاریخ کی بڑی سے بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ مگر یہ بہادر قوم کسی طرح بھی ہتیار رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی!

دروزیوں کی موجودہ قوت کیا ہے؟ اُن کا پروگرام کیا ہے؟ یہ بات بھی ویسی ہی مبہم ہے جیسی خود فرانس کی حکمت عملی ہے۔ ہائی کمشنر نے پیرس میں تقریر کرتے ہوئے شام کی حالت یہ بتائی

ہے کہ "ملک میں ہم نے پُوری طرح امن امان قائم کردیا ہو اگرچہ کبھی کبھی ہتیار بند ٹولیاں غارت گری کرجاتی ہیں" ایک اعتبار سے یہ بیان صحیح ہو۔ بلاشبہ اسوقت درود کوئی قابل ذکر جنگی کارروائی نہیں کررہے ہیں۔ لیکن یہاں ہر شخص جانتا ہو اور خود حکومت فرانس بھی جانتی ہو کہ یہ سکون، ایک آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہو۔

شام کی قومی تحریک

اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد قدرتی طور پر سوال ہوتا ہو کہ آخر شام کی قومی تحریک کیا ہو؟ اُس کے مقاصد کیا ہیں؟ اُس کی تاریخ کیا ہو؟ جواب کے لئے بڑی تفصیل کی ضرورت ہو اور وہ اس مراسلہ میں ممکن نہیں۔ تاہم ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہو تاکہ آپکے قارئین حقیقت حال سے بے خبر نہ رہیں۔

شام کی قومی تحریک کے متعلق یہ سمجھنا سخت غلطی ہو کہ وہ فرانس کی خصومت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ یہ تحریک جنگ عمومی سے پہلے بھی موجود تھی اور خود عثمانی حکومت کے مقابلہ میں شروع ہوئی تھی۔

جنگ عام میں شام کا رجحان دول اتحاد کی طرف تھا اور اسی رجحان کی وجہ سے شام کو مرحوم جمال پاشا کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ اتحادیوں کی طرف یہ رجحان محض اس لئے تھا کہ شام امید کرتا تھا وہ اتحادیوں کے ذریعہ اپنی وطنی آزادی حاصل کرسکے گا۔ اتحادیوں میں فرانس سے اُسے بڑی عقیدت تھی۔ کیونکہ فرانس ۵۰ برس سے یہاں اپنا اثر پھیلا رہا تھا، اور شامی تحریک کی علانیہ پیٹھ ٹھونکتا تھا۔ یہی وجہ ہو کہ جب جنگ کے خاتمہ پر فرانس کو شام کی وصایتہ (مینڈٹ) ملی تو ملک میں مسرت کے نعرے بلند ہوگئے اور سادہ لوح باشندوں نے یقین کیا کہ اب فرانس کے ہاتھوں آزادی کی دولت ضرور ملجائے گی۔ مگر اُنھیں جلدہی اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ اُنھوں نے دیکھ لیا کہ فرانس ترکوں سے بھی زیادہ مستبد اور سخت گیر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ آزادی دینی نہیں چاہتا، بلکہ اُن کی قومیت بھی برباد کرڈالنا چاہتا ہو۔

فرانس نے قبضہ حاصل کرتے ہی یہ کیا کہ ملک کے چار ٹکڑے کرڈالے، اور چاروں کو ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظام اور دستور کے ماتحت رکھا۔ چنانچہ لبنان ایک علیحدہ "جمہوریت" بنادی گئی۔ دمشق کی حکومت الگ کردی۔ جبل حوران کو بھی ایک علیحدہ قطعہ بنادیا۔ اور اسی طرح بلاد علوین کو بھی ایک مستقل ملک قرار دے دیا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے ان چاروں حصوں میں کسی قسم کا سیاسی، اجتماعی، اور انتظامی رشتہ دار تباط باقی نہ رہے، بلکہ الگ الگ ہوکر ایک دوسرے کی مخالفت شروع کردیں۔

یہی نہیں بلکہ ہر حصہ ملک میں فرقہ وار کش مکش بھی پیدا کردی جو شرق میں مغربی حکومتوں کا سب سے بڑا آلہ کار ہو۔ پہلے مسلمانوں، عیسائیوں، یہودیوں میں پھوٹ ڈال دی۔ پھر ان میں سے ہر فرقہ کی مختلف شاخوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کردیا۔ عرب اور غیر عرب کا جھگڑا، شیعہ اور سنی کا جھگڑا، ترکوں اور چرکسیوں کا جھگڑا، ارمنی اور یہودیوں کا جھگڑا، غرضکہ بے شمار فتنے پیدا کردیئے۔

لیکن باوجود ان تمام ریشہ دوانیوں کے مجموعی طور پر شام کے وطن پرست ابتک اپنی اصلی تحریک بچائے ہوئے ہیں۔ اُن کا مطالبہ صرف ایک ہو، اور وہ یہ ہو کہ فرانس شام کو خالی کردے۔ وطنی جماعت سے اترکر معتدل پارٹی ہو، اور اسکا مطالبہ یہ ہو کہ شام کی موجودہ تقسیم منسوخ کردی جائے، اور ملک کو اندرونی خودمختاری دیدی جائے۔ تیسرا گروہ ابن الوقت لوگوں کا ہو۔ وہ فرانس کے بھی حامی ہیں اور گاہ گاہ ملک کے بھی حمایتی ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کا خیال ہو کہ جس طرح برطانیہ نے عراق اور شرق یردن میں دو برائے نام بادشاہ بٹھا دیئے ہیں، اسی طرح فرانس کو بھی شام میں ایک "بادشاہ" کا تکلہ بٹھا دینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں متعدد شاہزادوں اور امیروں کا نام لیا جاتا ہو جن کا ذکر اوپر آچکا ہو۔ لیکن زیادہ میلان عباس حلمی سابق خدیو مصر یا ان کے چھوٹے بھائی پرنس محمد علی اور پرنس یوسف کمال کی طرف ظاہر کیا جاتا ہو۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

انگریزی مصری نزاع

پچھلے مکتوب میں اس نزاع اور اُس کے بنیادی نقطوں پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ نزاع کی اصلی بنیاد درحقیقت مصری فوج کا معاملہ ہو۔ مصری حکومت انگریزی "سردار" کا عہدہ منسوخ کرکے فوج اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہو۔ برطانیہ اسے منظور نہیں کرتا۔ اور مصر کو مصنوعی آزادی اور نام نہاد خودمختاری دیکر بدستور محکوم رکھنا چاہتی ہو۔

اس نزاع میں برطانیہ نے اپنے وہ تمام حربے استعمال کئے جن کا وہ مدت سے عادی ہو۔ سر آسٹن چمبرلین نے پارلیمنٹ کے ایوان میں کھڑے ہوکر اپنا وہی پرانا راگ الاپا "یورپین باشندوں کی زندگی خطرے میں ہو!" ساتھ ہی جنگی جہاز بھی بھیجدیئے۔ نیز برآں تمام یورپ میں مصر کے خلاف دعایۃ (پروپگنڈا) شروع کردی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس، اٹلی، اور بعض دوسرے یورپین ممالک کے اخباروں نے مصر کے خلاف زہر اُگلنا اور برطانیہ کو سخت سے سخت کارروائی کا مشورہ دینا شروع کردیا۔ درحقیقت فرانس اور اٹلی، دونوں مصر کی بیداری سے اُسی طرح خائف ہیں، جس طرح خود برطانیہ ہو۔ اٹلی کو خوف طرابلس کی وجہ سے ہے فرانس کو الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور خود شام کی وجہ سے۔

لیکن ان تمام دہمکیوں اور تہدیدوں کا اثر کیا ہوا؟ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ مصری حکومت انگریزی قوت کے سامنے فوراً جھک جائے گی۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہو کہ وہ زمانے لدگئے جب اس طرح کے مظاہرے رعب پیدا کردیا کرتے تھے۔ مصری حکومت خلاف توقع اسوقت تک اپنے مسلک پر قائم رہی ہو۔

جان بُل کی عادت ہو کہ جب دہمکی سے حریف مرعوب نہیں ہوتا تو خود نرم پڑجاتا ہو۔ چنانچہ مصری حکومت کی استقامت دیکھتے ہی لارڈ لائیڈ جارج بہت کچھ نرم پڑگئے ہیں اور اپنے مطالبات ہلکے کرتے جاتے ہیں۔ ابھی تک نزاع ختم نہیں ہوئی ہو۔ لیکن خیال کیا جاتا ہو کہ امروز فردا میں نرم گرم تصفیہ ہوجائے گا۔ انگریزی مصری گفت وشنید پردۂ راز میں ہو۔ لیکن یہاں کے اخبارات نے وہ بنیادی نقطے شایع کردیئے ہیں جن پر مصری حکومت کی آخری یادداشت مبنی ہو۔ وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مصری پارلیمنٹ بدستور تنفیذی قوت کی نگرانی کا حق رکھتی ہو۔

(۲) وزارت جنگ اور اُس کی تمام شاخوں پر مصری پارلیمنٹ کا اقتدار قائم رہے گا۔

(۳) وزارت جنگ کی تمام مجالس بدستور قائم رہیں گی اور اُن کی موجودہ قوت واختیار میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۴) تمام سرزمین مصر پر مصری حکومت کا اقتدار برقرار رہے گا، اور پُوری مملکت کی نگرانی مصری پارلیمنٹ کے ہاتھ میں رہے گی۔

اگر برطانیہ نے یہ بنیادیں تسلیم کرلیں، جس کا قوی امکان ہو، تو موجودہ نزاع کا خاتمہ ہوجائے گا۔

مصر کی ذہنی واجتماعی ترقی

جنگ عظیم کے بعد مصر نے صرف سیاسی ترقی ہی نہیں کی بلکہ اُس کی ذہنی واجتماعی حالات میں بھی عظیم تغیرات ہوئے۔ یہ تغیرات کس درجہ تک پہنچ چکے ہیں؟ اس کا جواب مشکل ہو۔ بیرونی دنیا اس کا اندازہ نہیں کرسکتی۔ البتہ سیاسی ترقی، ہمیشہ ذہنی واجتماعی ترقی کا نتیجہ ہوتی ہو۔ مصر کی موجودہ سیاسی بیداری سے اُس کی ذہنی واجتماعی بیداری کا اندازہ کیا جاسکتا ہو۔ پچھلے دنوں یہاں "مؤتمر عربی" منعقد ہوئی تھی، جس کا تذکرہ اپنے پچھلے خط میں کرچکا ہوں۔ اس مؤتمر میں دوسرے عربی ممالک کے جو فضلا شریک ہوئے تھے، انھیں مصر کی حالت دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ ذیل میں صرف ایک مشہور شامی فاضل علامہ محمد کرد علی کے تاثرات درج کئے جاتے ہیں جن کا اظہار اُنھوں نے شام میں جاکر کیا ہو۔ موصوف کہتے ہیں:

"سب سے پہلے میں نے ۱۹۰۱ء میں مصر کی زیارت کی تھی۔ آخری سفر کا ۲۶ سال کے بعد اب اتفاق ہوا۔ مجھے وہ انقلاب عظیم دیکھ کر سخت حیرت ہوئی جو اس چوتھائی صدی کے اندر مصر پر طاری ہوگیا ہو۔ میں نے اپنے اس آخری سفر میں مصر کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ ہر طبقہ کو غور سے دیکھا۔ تقریریں سنیں، قصیدے سنے، انجمنیں دیکھیں۔ تھیٹر دیکھے۔ اخبارات کا معائنہ کیا۔ کتبخانوں کی سیر کی۔ غرضکہ ہر پہلو پر نظر ڈالی۔ مجموعی طور پر میں نے یہ اثر قبول کیا کہ مصر نے حیرت انگیز ترقی کرلی ہو۔ سب سے زیادہ نمایاں حقیقت میں نے یہ دیکھی کہ فرانسیسی تہذیب، جس کی تخم ریزی فرانسیسی علماء نے انیسویں صدی کے اوائل میں کی تھی وہ مصر کے انگریزی اقتدار سے مغلوب نہ ہوسکی، بلکہ اُسنے انگریزی تہذیب کی خصوصیات کو شکست دیدی۔ مصر نے اس تمدن میں تراش خراش کرکے ایسی تبدیلی پیدا کرلی ہو کہ وہ فرانسیسی کی جگہ مصری یا عربی تمدن بن گیا ہو۔ اسوقت کا قاہرہ، پُرانے زمانہ کا بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، غرناطہ ہے، اسے صحیح معنوں میں تمام عربی دنیا کا علمی و ذہنی مرکز تسلیم کرنا چاہئے۔ اسوقت ملک میں دس ہزار مکتب جاری ہیں۔ لیکن مصری حکومت اسے کافی نہیں سمجھتی۔ دس ہزار مزید جاری کرنا چاہتی ہو۔"

آثار عتیقہ

ٹیکسلا

ہندوستان قدیم کا ایک مکمل منظر زمین کے نیچے!

دنیا کے ایک عظیم تمدن کی سرگزشت اطلال و آثار کی زبانی!

پیروان بدھ کے شہر، دار العلوم، خانقاہیں!

(از جناب میر ولی اللہ صاحب وکیل ایبٹ آباد)

راولپنڈی کے قریب ایک قدیم شہر کے جو آثار برآمد ہوئے ہیں، اور جن کا ذکر ٹیکسلا یونیورسٹی کے نام سے تمام دنیا کے اخبارات میں ہو چکا ہے، موجودہ عہد میں علم الآثار کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس اثر کی یہ ہے کہ یہ ایک پرانی آبادی کا مکمل نقشہ دنیا کے سامنے نمایاں کر دیتا ہے۔ پورا شہر، شہر کی تقسیم، اس کے محلے، اس کی سڑکیں، اس کی عمارتیں، اس کے دینی و علمی حلقے، سب اس طرح سامنے آجاتے ہیں، گویا حوادث دایام کے قلم نے پرانے کھنڈروں اور افتادہ دیواروں کی سیاہی سے صفحۂ ارض پر ایک دیباچہ کھینچ دیا ہے:

تلک آثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الآثارا

کسی پرانے تمدن کا آثار نہ، لیکن اونچا اثر بہت کم میسر آیا ہے۔

اس انکشاف کے جستہ جستہ حالات اگرچہ شائع ہو چکے ہیں لیکن اس وقت تک پوری شرح و تفصیل کے ساتھ کوئی نظر نہیں ڈالی گئی تھی۔ امید ہے میر ولی اللہ صاحب کی مندرجۂ ذیل تحریر دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ہم کسی آئندہ اشاعت میں ٹیکسلا کے ہر دوری نقوش و تصاویر بھی شائع کریں گے۔

جغرافیائی محل

راولپنڈی کے شمال مغرب میں بیس میل کے فاصلہ پر، ٹیکسلا ریلوے سٹیشن کے شمال مشرق، ایک قطعۂ زمین ہے۔ یہاں آج سے چند سال پہلے صرف بے رونق زمین، اونچے اونچے ٹیلے، اور چھوٹی چھوٹی خشک پہاڑیاں تھیں، اور اب کچھ عرصے سے زمین سے نکلے ہوئے مکانوں، خانقاہوں، مندروں کے کھنڈر .. دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آج سے ڈیڑھ دو ہزار برس پہلے **اسی قطعہ میں عظیم الشان شہر آباد تھے۔** ایسے شہر جن کی دولت و **شوکت** اور علمی کارناموں کو یونان اور ایران کی شاندار سلطنتیں **بھی** حیرت و رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھیں!

یہ علاقہ ایک شاداب وادی میں واقع ہے جو دریائے ہرو اور اس کے دو معاونوں لنڈی اور تمرآہ سے سیراب ہوتی ہے۔ اس علاقہ کی حفاظت کے لئے قدرت نے ایک طرف مارگلہ اور دوسری طرف مری اور ہزارہ کے پہاڑوں سے ایک قلعہ بنا دیا ہے۔ یہی دریا اور پہاڑ زمانۂ قدیم میں ٹیکسلا کی آبادی اور رونق کا باعث تھے۔ چونکہ یہ علاقہ ہندوستان اور وسط ایشیا کی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس لئے ہندوستان کی پرانی تاریخ میں اس علاقہ کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ **انگریزوں سے پہلے ہندوستان پر جتنی بیرونی قومیں** حملہ آور ہوئیں، سب کی سب اسی راستہ سے داخل ہوئی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اس علاقہ پر یکے بعد دیگرے کئی قومیں تھوڑے تھوڑے عرصہ تک حکمراں بھی رہی ہیں۔

انکشاف

چین کا مشہور سیاح ہوان چوانگ ساتویں صدی عیسوی میں یاترا کی غرض سے ہندوستان آیا تھا۔ اس کے سفر نامہ کی ان یادداشتوں نے جو ٹیکسلا کے متعلق تھیں، غالباً سب سے پہلے آثار قدیمہ کے ماہرین کی توجہ اس طرف مبذول کی۔ ایک مدت سے گرد و نواح کے زمینداروں کو اس علاقہ میں پرانے سکے اور دیگر آثار ملتے رہتے تھے اور علم الآثار کے بعض انگریز شائقین بھی یہاں سے کچھ نہ کچھ ڈھونڈھ نکالتے تھے۔ لیکن آثار کے ان بیش بہا دفینوں کی باقاعدہ اور منظم کھدوائی چند سال ہوئے سر جان مارشل سی، آئی، ای، ڈائرکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمۂ ہند نے شروع کی اس کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے سامنے تین شہروں کے قریب قریب مکمل کھنڈر اور مختلف قوموں کے بے شمار سکے، زیور، برتن، اور بتوں کا ایک عدیم المثال عجائب خانہ موجود ہے!

ریلوے سٹیشن ٹیکسلا کا نام پہلے "سرائے کالا" تھا۔ اب چند سال سے اسے ٹیکسلا کہتے ہیں۔ سٹیشن کے قریب جو گاؤں آباد ہے۔ اس کا نام سرائے کالا یا "ڈھیری شاہاں" ہے۔ ممکن ہے یہ نام شاہان قدیم کے بسائے ہوئے شہروں کے ان کھنڈروں کی وجہ سے پڑ گیا ہو جو اس علاقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

تین شہر

اب تک تین چار میل کے فاصلہ کے اندر تین پرانے شہروں کے کھنڈر .. مل چکے ہیں۔ ان میں سب سے پرانے شہر کا نام "بھڑ" ہے۔ اس شہر کے کھنڈر سرائے کالا حویلیاں ریلوے لائن اور تمرا نالہ کے درمیان واقع ہیں۔ اس شہر کی لمبائی شمالاً جنوباً ۱۲۱۰ گز اور چوڑائی شرقاً غرباً ۳۰۰ گز ہے۔ یہ شہر یونانیوں کے آنے سے کئی سو سال پہلے آباد ہوا تھا۔

دوسرا شہر "سرکپ" ہے اس کی فصیل اب تک موجود ہے فصیل کا گھیرا ۲ ہزار گز اور موٹائی ۱۵ بیس فٹ ہے فصیل کے بیرونی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر حفاظت کے لئے برج بنے ہوئے ہیں۔ یہ شہر غالباً دوسری صدی عیسوی میں آباد ہوا تھا۔

ٹیکسلا کا تیسرا شہر "سرسکھ" ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ شہر شاہان کشان (غالباً راجہ کنشک) کا آباد کیا ہوا ہے۔ فصیل کا دور قریباً تین میل ہے اور دیوار ۱۸ فٹ موٹی ہے۔ فصیل کے باہر ۹۰-۹۰ فٹ کے فاصلہ پر برج بھی بنے ہوئے ہیں۔ "سرسکھ" کی فصیل کے اندر آجکل تین چھوٹے چھوٹے گاؤں میر پور، ٹوفکیاں اور پنڈ کا کر آباد ہیں۔

ان شہروں کے علاوہ بدھ مذہب والوں کے بنائے ہوئے ستوپوں، خانقاہوں، اور دیگر قدیم عمارات کے آثار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جن کا ذکر آگے آئیگا۔

تاریخی حالات

اس شہر کا اصلی نام "ٹیکسلا" یا "تکھشلا" تھا۔ یونانی مورخین نے اسے "ٹیکسلا" لکھا ہے۔ شہر کی قدامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مہابھارت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے پانچویں صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ سلطنت ایران کا ایک حصہ تھا۔ اس کی تصدیق ان کتبوں سے ہوتی ہے جو نقش رستم میں دارا کی قبر پر اور خود ٹیکسلا میں بھی ملے ہیں۔ بدھ مذہب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسلا میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی جو علوم و فنون کی تعلیم و تحقیق کے لئے دنیا بھر میں مشہور تھی۔

سکندر اعظم کا حملہ

چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں سکندر اعظم نے پنجاب پر حملہ کیا۔ ٹیکسلا کی سلطنت اس وقت دریائے اٹک سے دریائے جہلم تک پھیلی ہوئی تھی یہ بغیر کسی لڑائی کے سکندر اعظم کے حوالے کر دی گئی۔ جب سکندر نے راجہ پورس پر حملہ کیا۔ تو راجہ آمبھی والیٔ ٹیکسلا نے فوج سے سکندر کی امداد کی۔ اس کے صلہ میں سکندر نے راجہ کو نہ صرف سلطنت ٹیکسلا ہی پر بحال رہنے دیا۔ بلکہ اپنے مفتوحہ علاقے کا ایک حصہ بھی دے دیا۔ ۳۲۳ قبل مسیح میں سکندر اعظم کی وفات کے بعد راجہ چندر گپت نے یونانی فوجوں کو دریائے اٹک کے پار ہٹا دیا اور پنجاب اور ٹیکسلا کی تمام ریاستیں اس کے تصرف میں آگئیں۔ چندر گپت کی حکومت کی سخت گیری سے تنگ آکر ٹیکسلا نے خود مختاری کے لئے جد و جہد کی اور بالآخر موریا حکومت کی ماتحتی سے آزاد ہو گیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد راجہ کا ولی عہد شہزادہ اشوک آپہونچا۔ اور اس علاقہ کو دوبارہ فتح کر کے ٹیکسلا میں بحیثیت نائب السلطنت کے متمکن ہو گیا۔ تیسری صدی قبل مسیح کے آخری سالوں میں راجہ اشوک کی وفات پر سلطنت موریا کا شیرازہ **پھر پریشان** ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ ٹیکسلا بھی سلطنت کے دوسرے صوبوں کی طرح خود مختار ہو گیا، اور اس کی آزادانہ حکمرانیوں کا تیسرا دور شروع ہوا۔

دوسرا یونانی دور

یونانی حملہ آوروں کی ایک جماعت جو سکندر اعظم کے ساتھ آئی تھی، باختر میں آباد ہو گئی تھی۔ یہ نو آباد جماعت اور اس کی

اولاد میدانِ عمل میں ہمیشہ سرگرمی دکھاتی رہی۔ پنجاب میں آباد ہونے والے عام یونانیوں کے برعکس اس کی جد وجہد برابر جاری رہتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہی باختری یونانیوں نے ۱۹۰ قبل مسیح میں دوبارہ ٹیکسلا اور دیگر قریبی علاقوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔

تورانیوں کا دور

یونانیوں نے ٹیکسلا پر کچھ اوپر ایک سو سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد سیستان کے رہنے والے تورانیوں نے جو ہندوستان میں آکر شاکا کہلائے تھے، دریائے اٹک کو عبور کرلیا اور پنجاب پر حملہ کردیا۔ قریب ایک صدی قبل مسیح میں ٹیکسلا پر ان کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اُن کے بعد اہل پارتھیا پہنچے اور اُن کا دَور دورہ رہا۔

اہل کشان کا حملہ

۶۰ء یا ۶۵ء میں اہل کشان نے جو اول اول چین کے شمال مغرب سے آئے تھے، اہل پارتھیا کو مغلوب کرکے وادیٔ کابل اور ٹیکسلا پر قبضہ کرلیا۔ دوسری صدی عیسوی میں اہل کشان کا ایک عظیم الشان بادشاہ کنشک تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت وسط ایشیا سے حدودِ بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔ پشاور (پرش پور) اس کا سرائی دار الخلافہ تھا۔ پانچویں صدی عیسوی تک اہل کشان کا عروج رہا۔ پھر ان کا زوال شروع ہوگیا۔ ٹیکسلا کی کھدائی میں بہت سے ساسانی سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ان سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اہل کشان کے زوال کا ابتدائی باعث کوئی ساسانی حملہ ہوا تھا۔

ٹیکسلا کی تباہی

لیکن اس خاندان کی آخری اور مکمل تباہی اس وحشی قوم کے ہاتھوں ہوئی جس کو افتالی کہتے ہیں۔ یہ لوگ ۴۵۵ء میں ایک بہت بڑی فوج لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ کشان کی سلطنت زیر نگیں کرلی۔ اور خاندان گپتا کی عظیم الشان سلطنت کو بھی تباہ اور برباد کردیا۔ ایک چینی سیاح فاہیان نامی نے ۴۰۰ء میں ٹیکسلا آکر بدھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی تھی۔ اس کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شمال مغربی ہندوستان میں بدھ مذہب کی زیارت گاہیں بہت آباد اور مشہور تھیں۔ لیکن ان افتالی وحشیوں نے یہ تمام علاقہ بڑی بے دردی سے ویران کردیا۔ ٹیکسلا اور دوسرے مقامات کی خانقاہیں اور مندر انہی لوگوں کے ہاتھوں برباد ہوئے۔ اس افتالی فتنہ کے بعد ٹیکسلا کو پھر کبھی عروج نصیب نہیں ہوا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ٹیکسلا سلطنت کشمیر کا ایک صوبہ بن چکا تھا۔ اور مقامی حکام کی خانہ جنگیاں اس کے باقی ماندہ مندروں اور خانقاہوں کی تباہی کا باعث ہو رہی تھیں۔

موجودہ آثار

اب ہم ان خانقاہوں مندروں اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو ٹیکسلا کی کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں۔

دھرما راجیکا ستوپہ

اس سلسلہ میں سب سے پہلے قابل ذکر "دھرما راجیکا ستوپہ" ہے (ابتدا میں لفظ "ستوپہ" صرف ان ٹیلوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو مُردوں کو دفن کرنے کی غرض سے بنائے جاتے تھے۔ لیکن بعد کو اس کا اطلاق ان ٹیلوں کے لئے مخصوص ہوگیا جو بدھ یا بدھ کے حواریوں کے برکات محفوظ کرنے یا کسی متبرک مقام کی یادگار قائم کرنے کے لئے بنائے جانے لگے) یہ ستوپہ "چیر ٹوپ" کے نام سے بھی مشہور ہے بڑا ستوپہ تمرا نالہ کی سطح سے بہت اوپر ایک اونچے میدان میں واقع ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر اور پجاریوں کے رہنے کے مکان بھی ہیں۔ بڑا ستوپہ گول ہے۔ اس کے گرد ایک بلند چبوترہ ہے جس میں چاروں طرف زینے لگے ہیں۔ یہ چبوترہ ستوپے کے گرد طواف کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ چھوٹے ستوپوں میں سے ایک ستوپے کا تبرک خانہ پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اس خانے کے اندر سے ایک ڈبیالی ہے جو چار انچ اونچی ہے۔ اس ڈبیا کے اندر ایک اور چھوٹی سی ڈبیا ہے اور اس میں کچھ جلی ہوئی ہڈی، کچھ راکھ، اور سونے، موتی، اور ہڈی کے چند دانے پائے گئے ہیں۔ اسی خانہ میں پتھر کا ایک چھوٹا سا ستوپہ بھی دستیاب ہوا ہے جس کے نیچے کی طرف لعل، بلور، سنگ سلیمانی، یاقوت، نیلم، عقیق، فیروزہ صدف، پکھراج، اور ہڈی کے سفتہ دانے اور نگینے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کے تبرک خانہ سے کئی پرانے سکے سیفٹی پن کی طرح سونے کا ایک زیور نیلم، بلور، اور یاقوت کے دانے، اور مونگے کے ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں سرکار ہند نے لنکا کے پیروانِ بدھ کو تحفہ کے طور پر دیدی ہیں اور اب لنکا کے ایک مندر میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مندروں میں چونے اور مٹی کی کئی مورتیاں بھی ملی ہیں ایک اور چھوٹے ستوپے کے اندر سے چاندی کی ڈبیالی ہے جس کے اندر ایک اور چھوٹی سنہری ڈبیا تھی اس میں ہڈیوں کے چند باریک ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ ان ہڈیوں اور جسم انسانی کی سوختہ راکھ کی نسبت علمار آثار نے مختلف قیاسات لگائے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ خود بدھ اعظم کے نعش کی راکھ ہے، لیکن اس وقت تک بدھ کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں اُن سے اس قیاس کی پوری طرح تصدیق نہیں ہوتی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بدھ اعظم کی نہیں لیکن دوسرے اکابر مذہب کی نعش کا بقیہ ہے۔ غالباً یہ دوسرا قیاس ہی قرین صواب ہے۔

ایک مندر میں بدھ کے ایک مجسمہ کا ٹکڑا ملا ہے اس میں صرف پاؤں اور لباس کا نچلا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ یہ پاؤں ایڑی سے انگوٹھے تک ۵ فٹ ۳ انچ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجسمہ قریباً ۳۵ فٹ بلند ہوگا! ایک اور چھوٹے ستوپے سے سلطنت کشان کے ۵ طلائی سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

ان ستوپوں اور مندروں کے ساتھ بعض دوسری عمارات بھی ہیں۔ ایک گلی میں بدھ کی دو بڑی بڑی مورتیں پائی گئی ہیں جن کے سر ضائع ہوچکے ہیں لیکن مورت کی وضع سے حالت استغراق ظاہر ہوتی ہے۔ ان ستوپوں سے ذرا آگے ایک کھلے میدان میں ایک تالاب برآمد ہوا ہے۔ جس کے پہلوؤں میں چار چھوٹے چھوٹے ستوپے اور ہیں۔ یہ تالاب تورانی یا پارتھیائی عہد کا بنا معلوم ہوتا ہے۔ ایک ستوپہ کے اندر سے برتن میں رکھی ہوئی کچھ راکھ اور عہد کنشک کے چند سکے بھی ملے ہیں۔

ان کے علاوہ اور کئی طرح کے تبرکات اور بدھ کی مختلف حالتوں کی مورتیاں اور قدیم سکے بھی ملے ہیں جن سے ٹیکسلا کی تاریخ پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔

کنال ستوپہ

دوسرا ستوپہ جو کھدائی سے برآمد ہوا ہے وہ ستوپہ کنال کے نام سے موسوم ہے۔ ہوان چوانگ (چین کا مشہور سیاح) جب ٹیکسلا آیا تھا تو وہ اسی شہر میں مقیم ہوا تھا۔ اسے آجکل سرسکھ کہتے ہیں۔ شہر کے مضافات میں جن چار بدھ یادگاروں کا اس سیاح نے ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک راجہ ایلا پترا کا تالاب تھا۔ یہ متبرک تالاب حسن ابدال میں واقع تھا جسے سکھ آجکل پنجہ صاحب کہتے ہیں اور جس کے متعلق اُن کی کئی عجیب غریب روایات مشہور ہیں۔ دوسرا ایک ستوپہ ہے جس سے بدھ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق خزانہ برآمد ہونا چاہئے تھا۔ تیسرا ہدیۂ سر والا ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے تعمیر کرایا تھا۔ چوتھا وہ ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے اس مقام پر بنوایا تھا جہاں ایک روایت کے مطابق اس کے بیٹے کنال کی آنکھیں اُس کی سوتیلی ماں نے نکلوادی تھیں۔

ستوپہ کنال شہر سرکپ کے مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کی کرسی شمالاً جنوباً ۱۰۵ فٹ لمبی، اور شرقاً غرباً ۶۳ فٹ چوڑی ہے یہ ستوپہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا سا ستوپہ اس ستوپے کے اندر سے بھی برآمد ہوا ہے۔

ستوپہ کنال کے نزدیک ایک خانقاہ بھی ہے۔ اس کی دیواریں جو ۱۳-۱۴ فٹ بلند تھیں اب بھی کہیں کہیں باقی ہیں۔ یہ خانقاہ قریباً دو سو فٹ لمبی اور ڈیڑھ سو فٹ چوڑی ہے۔ چاروں طرف برآمدے اور حجرے بنے ہوئے ہیں۔

شہر سرکپ

شہر سرکپ کے کھنڈروں سے تمام شہر کا پورا پورا نقشہ ظاہر ہوتا ہے۔ مکانات، بازار، دکانیں، گلیاں، چوک، شاہی محل، چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر، یونیورسٹی کی عمارات، تمام کی تمام نمودار ہوچکی ہیں

برآمد شدہ اشیار

اس شہر کی کھدائی سے ایک کثیر تعداد مختلف اشیار کی برآمد ہوئی ہے۔ جن کا صرف اجمالی ذکر کیا جاسکتا ہے:

مٹی کے مختلف برتن۔ پانی پینے کے پیالے۔ بڑے بڑے گھڑے۔ پختہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ کھلونے۔ سادہ اور نقش دار طشتریاں۔ آہنی برتن، پھاوڑے۔ کرسیاں۔ تپائیاں۔ گھوڑوں کی لگامیں۔ کنجیاں۔ تلواریں۔ تیر۔ کانسی اور تانبے کے برتن عطر دان۔ کئی ہزار سکے۔ سونے چاندی کے زیور... مثلاً طلائی کنگنوں کی جوڑیاں۔ طلائی بالیوں کا ایک جوڑا۔ طلائی جھمکے طلائی جھومر۔ سونے کی انگشتریاں۔ طلائی زنجیریں۔ طلائی ہار۔ طلائی تعویذ طلائی آویزے جن میں یاقوت کے نگینے لگے ہوئے ہیں۔ طلائی سکے۔ طلائی تمغے۔ عقیق۔ یاقوت اور شیشے کے نگینے۔ مختلف سکے اور سکے ڈھالنے کے سانچے وغیرہ وغیرہ۔

بہت سی چیزیں جو اُس وقت کی تہذیب، تعلیم، تاریخ، اور تمدن پر روشنی ڈالتی ہیں۔ دستیاب ہوچکی ہیں۔

جنڈیال کے ٹیلے

شہر سرکپ کے شمال کی جانب کچا کوٹ سے گزر کر جنڈیال کے دو اونچے اونچے ٹیلے ہیں ان میں سے ایک ٹیلے کی کھدائی سے ایک مندر کے کھنڈر... برآمد ہوئے ہیں۔ یہ مندر ایک مصنوعی ٹیلے پر جو سطح زمین سے ۲۵ فٹ بلند ہے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس مندر کا طول ۱۵۸ فٹ ہے۔ اب تک یقین سے معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ مندر کس مذہب کا ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ تورانی یا پارتھیائی عہد میں جب ٹیکسلا میں زرتشتیوں کا زور تھا، تعمیر ہوا تھا۔

دوسرا ٹیلہ پہلے ٹیلے سے ذرا پچھم کی طرف ہے۔ اس ٹیلے پر بھی ایک بہت بڑی عمارت کے کھنڈر... موجود ہیں انہی ٹیلوں کے قریب دو اور چھوٹے ٹیلے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک کے اندر سے ایک ستوپہ برآمد ہوا ہے اور دوسرے سے ایک ستوپہ کے آثار۔

شہر سرسکھ

سرکپ والے مندر سے قریب ڈیڑھ میل خانپور کی طرف شہر سرسکھ کے کھنڈرات ہیں۔ یہ شہر ٹیکسلا کا سب سے آخری اور جدید شہر ہے۔ غالباً راجہ کنشک نے آباد کیا تھا۔ شہر کی فصیل ساڑھے اٹھارہ فٹ موٹی ہے۔ اور فصیل کے باہر برج ہیں۔ سرسکھ کا عام نقشہ قریب قریب مستطیل ہے۔ یہاں سے چند تانبے کے سکے

ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک آئینے کا دستہ، اور شاہنشاہ اکبر کے زمانے کے کچھ پیسے برآمد ہوئے ہیں۔

لال چک کے آثار

سرسکھ کے شمال مشرق میں ڈیرہ سو گز کے فاصلہ پر چار چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے جنھیں آجکل لال چک کہتے ہیں۔ اِن ٹیلوں کے نیچے سے بدھ مذہب والوں کی ایک آبادی کے آثار نکلے ہیں۔ اِن میں ستوپے، مندر، اور خانقاہیں ہیں۔ یہ غالباً چوتھی صدی عیسوی کی تعمیرات ہیں۔ اِن کھنڈروں سے عہد اقتائی کے کئی نقرئی سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی سے پہلے جلکر پیوند زمین ہوگئیں۔ ایک ستوپے کی اندرونی بھرتی سے مختلف زمانوں اور مختلف بادشاہوں کے ایک سو چالیس سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کی بُنیادی چنائی میں سے سونے، یاقوت، لعل، یشب، اور سیپ کے تیس منکے ملے ہیں۔ لیکن یادگاری ہڈی کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے۔

بادل پور کا ستوپہ

بادل پور کا ستوپہ جو موضع بھیرہ کے قریب واقع ہے، دستبرد زمانہ کا زیادہ شکار ہوا۔ کرسی کے سوا اس کے آثار بہت کم باقی ہیں۔ اس ستوپے کے مشرق کی طرف ایک وسیع خانقاہ کے بھی کھنڈروں ہیں جو سکے یہاں سے برآمد ہوئے ہیں، وہ تمام کنشک ہوشک، اور واسودیو (یعنی شاہان کشان) کے عہد کے ہیں۔ یہ غالباً تیسری صدی عیسوی کی تعمیر ہے۔

مصوّر دیواریں

بُدھ عمارات کے وہ سلسلے جو موہڑہ مرادو اور جولیان کے نزدیک واقع ہیں، نہایت محفوظ حالت میں برآمد ہوئے ہیں۔ یہاں بعض ستوپے ایسے ہیں جن کی تمام سطح پر تصویریں ہی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ ان ستوپوں کے ساتھ خانقاہیں بھی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے بعض پُرانے کنوؤں کے کھنڈر... بھی نظر آتے تھے۔ جواب بھر چکے ہیں اور ان پر کاشت ہوتی ہے۔ خانقاہوں میں چاروں طرف حجرے تھے۔ ایک گوشہ میں غسل خانہ، مجلس خانہ، باورچی خانہ، نعمت خانہ، اور انبار خانہ تھا۔ اِن مقامات پر بُدھ کی حالتِ استغراق کی کئی مورتیاں ہیں۔

ٹکسلا کی آتشزدگی

جس آگ سے یہ عمارات تباہ ہوئیں وہ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے کی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اِن حجروں میں سے ایک یاقوت کی جلی ہوئی مُہر برآمد ہوئی ہے جس پر عہد گپتا کے براہمی خط میں یہ الفاظ کندہ ہیں "سری کلیشورا داسی"، اسی عہد کی ایک اور تحریر بھوج پتر پر لکھی ہوئی بھی ملی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آتش زدگی کا حادثہ عہد گپتا سے پیشتر کا نہیں ہوسکتا، اور اس کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے۔ یہاں سے ساسانی کشانی نمونے کے چند کھوٹے سکے، آہنی میخیں، قبضے، تانبے کے زیور، اور مٹی کی مورتیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔

ایک زیر تنقیب حصہ

بھلر ستوپہ کے قریب بدھ مذہب کی یادگاروں کا ایک اور سلسلہ بھی زیر تنقیب (کھدائی) ہے۔ یہ سلسلہ سرائے کالا حویلیان ریلوے لائن کے قریب، سرائے کالا سے ۵ میل اور دریائے ہرو سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ہوان چوانگ کا بیان ہے کہ بھلر ستوپہ شاہنشاہ اشوک نے اُس مقام پر بنایا تھا جہاں مہاتما بدھ نے اپنے سابق جنم میں اپنا سر قربان کیا تھا۔ اسوقت اُس ستوپے کا کوئی نشان باقی نہیں کیونکہ جو ستوپہ موجود ہے وہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہوسکتا۔ ستوپے کے سامنے ایک وسیع صحن ہے اور چاروں طرف کمروں اور ایک خانقاہ کے آثار ہیں۔

شہر "بھڑ"

شہر بھڑ جو ٹکسلا کا سب سے قدیمی شہر ہے، موضع بھڑ درگاہی کے پاس ہے۔ یہاں سے مٹی کے برتن، مٹی کی مورتیں، چاندی کے کھوٹے سکے، طلائی زیورات (چوڑی اور آویزہ وغیرہ) موتی نیلم، یاقوت، مونگے، اور دیگر قیمتی پتھروں کے منکے، ایک تنگ و تاریک کنواں، اور اس کنوئیں سے خالی مٹکے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے، برآمد ہوئے ہیں۔ بعض اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیور.. تیسری صدی قبل مسیح میں یہاں رکھے گئے تھے۔

اگر آپ کو
دمہ
(ضیق النفس)
یا
کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین
HIMROD
کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے!

کیا آپ کو معلوم نہیں
کہ
اسوقت دنیا میں بہترین فاؤنٹین قلم
امریکن کارخانہ "شیفر"
کا
"لائف ٹائم" قلم ہے؟
(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ زنگ یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا
(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے۔
(۳) اتنا خوبصورت، سبز سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں
کم از کم تجربہ کیجئے
یاد رکھئے
جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہئے!

بريد فرنگ

مکتوب فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے)

شیخ سنوسی - اور آمریکہ کی کامیاب ہوائی مہم

شیخ سنوسی

اس ہفتہ اخبار "طان" نے اپنے ایک نامہ نگار کا نہایت دلچسپ مضمون شایع کیا ہے - یہ نامہ نگار ملک عسیر (یمن) گیا تھا اور مشہور مجاہد طرابلس السید احمد الشریف یعنی شیخ سنوسی سے ملاقات حاصل کی تھی - یہ مضمون دراصل اسی ملاقات کے متعلق ہے ذیل میں اُس کے اہم حصے ملاحظہ ہوں:

شیخ سنوسی کی شخصیت

شیخ سنوسی بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جو کچھ مدت پہلے صاحب اختیار و قوت تھے - اُن کا نام دول یورپ کے دلوں پر رعب طاری کر دیتا تھا - اُن کی شخصیت تمام دنیا میں خاص اہمیت رکھتی تھی لیکن جس طرح جنگ عظیم نے بڑے بڑے بادشاہوں کے تاج اُن کے سروں سے اُتار پھینکے، اُسی طرح صحرا کے اس درویش بادشاہ کو بھی اُس کی حکومت سے محروم کر دیا - آج یہ اولوالعزم انسان جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے - لیکن اسپر بھی اُس کی شخصیت اب بھی اُتنی ہی وزنی ہے جتنی کبھی تھی، بلکہ وہ معزول فرمانرواؤں میں اسوقت سب سے زیادہ بااثر، معزز، اور طاقتور ہے - یہ اس لئے کہ اُس کی بادشاہی صرف گوشت و پوست کے پُتلوں پر قائم نہ تھی کہ اُن کے ٹوٹتے ہی وہ بے قدر و قیمت ہو جاتا - اُسکی حکومت جسموں کے ساتھ ساتھ دلوں اور روحوں پر بھی قائم تھی - وہ اب بھی قائم ہے اور کوئی انسانی قوت اُسے زائل نہیں کر سکتی -

شیخ سنوسی آجکل عسیر میں موجود ہیں - عسیر سے اُنکے دیرینہ خاندانی تعلقات ہیں - شیخ سنوسی کے دادا سید محمد سنوسی، سید احمد ادریسی کے شاگرد اور مُرید تھے اور انہی کے حکم سے طرابلس گئے تھے اس رشتہ کی وجہ سے شیخ سنوسی کا عسیر میں بہت اثر ہے - بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اسوقت عسیر کی حکومت شیخ سنوسی ہی کے ہاتھ میں ہے - عسیر میں آکر اُنھوں نے دو کام بہت اہم کئے - ایک یہ کہ امیر علی ادریسی کو معزول کر دیا جو ایک ناسمجھ نوجوان تھا اور اُس کی جگہ اُس کے چچا امیر حسن ادریسی کو حاکم بنا دیا جو مدبّر اور دانشمند آدمی ہے: دوسرا کام یہ کیا کہ نجد و عسیر میں معاہدہ کرا کے عسیر کو یورپین اقتدار سے بچا لیا -

عسیر کے قلعہ میں

شیخ سنوسی سے مجھے قلعہ میں شرف ملاقات حاصل ہوا - رات کا وقت تھا - دو غلام ہمارے سامنے روشن موم بتیاں لئے چل رہے تھے اور پیچھے دس بارہ سپاہی ننگی تلواریں لئے ساتھ تھے - پھاٹک پر ہم ایک لحہ رُکنے پر مجبور ہوئے کیونکہ ایک سنتری کو بچھو نے کاٹ لیا تھا -

ہم صحن میں پہنچے - جا بجا اُونٹ چار کر لیٹے تھے - ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے - پھر ایک تنگ دروازے میں گھسے اور ایک دوسرے صحن میں پہنچے - یہ بالکل خالی تھا - ہم برابر ایک صحن سے دوسرے صحن میں پہنچتے رہے - یہاں تک کہ ایک مکعب شکل کی مختصر عمارت کے سامنے پہونچے - یہی شیخ سنوسی سے ملاقات کی جگہ ہے -

شیخ سنوسی کا حلیہ

میں اندر داخل ہوا تو جلیل القدر شیخ کو اپنے انتظار میں پایا - موصوف کا قد درمیانہ، جسم لاغر، صورت مراکشی، رنگ گورا ناک بڑی اور خمیدہ، داڑھی ہلکی اور چھوٹی، مونچھیں لمبی اور پتلی - لباس مراکشی - اس حال میں وہ مجھ سے ملے - ملاقات کے وقت اُن کے اعصاب میں سخت ہیجان تھا اور نہایت غضبناک معلوم ہوتے تھے - میں قالین پر بیٹھ گیا - شیخ میرے سامنے تھے - وزیر نے میرا تعارف ان لفظوں میں کرایا "یہ بڑے شریف آدمی ہیں ان کی بات پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے"

شیخ سنوسی کا جوش

شیخ نے بڑے ہی جوش سے تقریر شروع کر دی - اٹلی کا نام جب جب زبان پر آتا تھا تو دانت پیستے تھے "ہم سنوسی آزادی کیساتھ زندہ رہیں گے اور آزاد ہی مریں گے" شیخ نے تھرائی ہوئی آواز میں کہا "ہم موت کے آخری لحہ تک یورپین ملک گیری سے لڑینگے بہت ممکن ہے آج ہم فتح حاصل نہ کر سکیں - لیکن میدان سیاست میں ہمیشہ اچھے موقعے آتے رہتے ہیں - عنقریب ہمارا موقعہ بھی آ جائے گا"

آزادی کی قیمت

"بعض ایسی سلطنتیں بھی موجود ہیں جو ہم سے کہتی ہیں" اپنی تلوار نیام میں رکھ لو، ہم تمھیں اتنی اتنی دولت دیتے ہیں!" یہ وہ سلطنتیں ہیں جو علم و حکمت کی دعویدار ہیں - مگر وہ عربی علم النفس سے قطعًا جاہل ہیں - اگر وہ پہاڑ اُحد کے برابر بھی ہمیں سونا تول دیں، اور افریقہ کی پوری ریگ کو الماس و زمرد بنا دیں، جب بھی ہمارا یہی جواب ہو گا "نہیں!" آزادی، چاندی سونے اور ہیرے اور موتی سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے - وہ کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں کی جا سکتی"

سنوسی طریقہ

یورپ میں شاید یہی سمجھا جاتا ہے کہ سنوسیت محض ایک بدوی درویشوں کا طریقہ ہے - یہ سمجھنے والوں کی غلطی ہے - ہماری ہر خانقاہ بیک وقت، مسجد، مسافر خانہ، مدرسہ اور فوجی بارک ہے - ہر خانقاہ کا شیخ بیک وقت نماز کا امام، مدرسہ کا معلم، مجلس کا واعظ اور فوج کا سپہ سالار ہے - تمام صحرا افریقہ ہماری خانقاہوں سے لبریز ہے - تمام خانقاہیں صرف ایک مرکز کے تابع ہیں اور اس مرکز کا امام خود میں ہوں!

"ہماری تحریک صرف طرابلس ہی میں عام نہیں ہے بلکہ سوڈان مصر، حجاز اور یمن تک میں پھیلی ہوئی ہے - بلاشبہ ان ملکوں میں اُسنے سیاسی قوت اپنے ہاتھ میں نہیں لی ہے - لیکن جب ہم چاہیں ہزاروں مجاہد ان علاقوں سے حاصل کر سکتے ہیں"

اٹلی نے کیا حاصل کیا؟

"میری عدم موجودگی میں بھی طرابلس اور بنی غازی میں سنوسی اٹلی سے نبرد آزمائی کر رہے ہیں اور ہمیشہ یوں ہی کرتے رہیں گے - وہاں میرے چچا کا لڑکا میرا قائم مقام ہے اور ہرگز ذلت قبول نہیں کر سکتا - اتنی طویل اور خونریز جنگوں کے بعد بھی اٹلی سمندر سے کچھ زیادہ دُور تک نہ جا سکا - اندرون ملک پر اٹلی کا قبضہ محال ہے"

صحرائی جنت

"مصریوں کے ہاتھ سے "جغبوب" چھین کر اٹلی والے خوش ہو رہے ہیں کہ اب ہم سنوسیوں کو مار لیں گے!" لیکن یہ بھی ان کی سخت غلطی ہے - جغبوب ہمارا ایک مقدس شہر ہے، صرف اسوجہ سے نہیں کہ وہاں محمد سنوسی (رح) کی قبر ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ وہ ہمارا عقلی مرکز ہے - وہیں ہماری سب سے بڑی علمی جامعہ (یونیورسٹی) ہے ہم نے اس صحرائی خطہ کو جنت بنا دیا ہے - اس میں نہریں جاری کی ہیں اور پُورا شہر آباد کر دیا ہے - جغبوب پر قبضہ، اٹلی کی ایک بہت بڑی سیاسی غلطی ہے - عنقریب اُسے اپنی اس حماقت کی سزا مل جائے گی - ہم اپنے اس متبرک شہر کو ہرگز اٹلی کے علم کے نیچے نہیں دیکھ سکتے - ہم اپنے خون سے اسے دوبارہ خرید لیں گے!"

طلیانی جنسیت

"ہم سے اٹلی کہتا ہے "ہماری جنسیت قبول کر لو" ہرگز نہیں! یہ ہمارا جواب ہے اور قیامت تک یہی جواب رہے گا - میں اپنی اور اپنے چچیرے بھائی اور تمام سنوسیوں کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اپنی گردنیں کٹوا دینا ہمارے لئے اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ طلیانی (اٹالین) جنسیت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں میں صحرا کا باشندہ تھا - اب حکومت حجاز کی رعیت ہوں - اگر حالات مجھے اس جنسیت کی محافظت نہ کرنے دیں تو میں مصری ہونا پسند کروں گا - میں مصریوں سے محبت کرتا ہوں - میں مصریوں کا شکرگزار ہوں - میں زندگی بھر اُن کا احسان مند رہوں گا - کیونکہ اُنھوں نے اپنے طرابلسی بھائیوں کی بڑی مدد کی تھی اور جغبوب کی بڑی شجاعت سے مدافعت کی تھی - وہ جغبوب جو سلطان عبدالحمید نے ہمیں مصری وقت سے بخش دیا تھا"

اسلامی روح

شیخ سنوسی بڑے غصہ، جوش، اور تلخی سے تقریر کر رہے تھے - اچانک وہ چپ ہو گئے - شاید سُستانے لگے - پھر اُنھوں نے مجھ سے کہا:

"جب تم یورپ پہنچنا تو اٹلی والوں سے کہدینا کہ اُنھوں نے اب تک اسلامی روح نہیں سمجھی ہے - اگر سمجھی ہوتی تو ہرگز یہ خیال نہ کرتے کہ جغبوب پر قبضہ کر کے وہ ہمیں زیر کر لیں گے - بہت سی سلطنتیں جو آج بڑی ہیں کل چھوٹی ہو جائیں گی - جرمنی اور روس کو دیکھو

آدل نے کیسی سخت شکست اُٹھائی؟ دوسری کس طرح پارہ پارہ ہوگئی؟ لیکن پھر چند دنوں کے بعد صورت حال میں انقلاب ہوا۔ آج وہ پھر دنیا کی عظیم سلطنتیں بن گئی ہیں۔ اسی طرح آج اٹلی توی ہو اور ہم ضعیف ہیں، لیکن کون جانتا ہو **کل کیا ہوگا؟ کیا اٹلی کے پاس** کوئی ضمانت موجود ہو کہ اُس کی قوت ہمیشہ **یوں ہی برقرار رہیگی** اور ہم کبھی کروٹ نہیں لینگے؟ میں اسے تسلیم **نہیں کر سکتا۔**"

غلامی یا سیاہ موت!

"میں ہرگز ہرگز اٹلی کی ملک گیر پالیسی کے آگے جھک نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہو! بالکل ناممکن ہو! قیامت تک ناممکن ہو! میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے خوں ریزی مرغوب ہو۔ میں ہرگز جنگ کا خواہشمند نہیں ہوں۔ میں صلح چاہتا ہوں، اٹلی سے بھی صلح چاہتا ہوں۔ مگر صلح کی بنیاد کیا ہو؟ کیا غلامی؟ ہرگز نہیں۔ غلامی سے پہلے موت سیاہ موت! پھر کیا ہو؟ اقتصادی امتیازات؟ میں شروع سے کہہ رہا ہوں کہ اقتصادی امتیازات دینے کو آمادہ ہوں۔ لیکن یہ اُسوقت جب طرابلس کی سرزمین پر اٹلی کا ایک سپاہی بھی باقی نہ رہے اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ جنگ! موت تک جنگ! قیامت تک جنگ!"

شیخ سنوسی کا غصہ

اب شیخ سنوسی کا غصہ حد بیان سے تجاوز کر چکا تھا۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہے تھے۔ آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں۔ میں نے آجتک کبھی کسی آدمی کو اتنے غیظ و غضب میں نہیں دیکھا۔ میں ہرگز اپنی اس حالت کی پردہ پوشی نہیں کرنی چاہتا کہ اُن کا غصہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا!

دیر تک چپ رہنے کے بعد اُنھوں نے جرمنی کی تعریف شروع کی اور ہنڈنبرگ کو بہت سراہا۔ میں سمجھا اب غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر اچانک وہ پھر زور سے چلائے "جغبوب! اٹلی والوں سے کہدینا کہ آزادی یا موت!...."

وہ جوش سے بالکل بیخود ہو گئے۔ کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔ مگر ان کا جوش و غضب دیکھ کر میں نے یہی بات موزوں سمجھی کہ مجلس ختم ہو جائے۔ خلاف دستور میں نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ شیخ بالکل خاموش ہو گئے۔ مگر تمام بدن سے کانپ رہے تھے اُنھوں نے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید کہہ ہی نہ سکے صرف ہاتھ کے اشارے سے مجھے خدا حافظ کہا۔

نیویارک سے پیرس تک

میں اپنے پچھلے مکتوب میں کپتان نجیسر کا مفصل ذکر کر چکا ہوں کہ کس طرح وہ پیرس سے ہوائی جہاز پر نیویارک کے لئے روانہ ہوا اور لاپتہ ہو گیا۔ کپتان نجیسر کی داستان، فرانس کی عظمت کی داستان تھی، اب امریکہ کی عظمت کی داستان بھی سن لیجئے۔ آج پورا پیرس، دل شکستہ پیرس، چارلس لنڈبرگ کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہو۔ یہ ۲۲ سالہ نوجوان، امریکہ کی پوری عظمت کا نشان ہو،

کپتان نجیسر، ایک پرواز میں بحر اعظم اٹلانٹک عبور نہ کر سکا۔ اس کی عمر ۴۳ سال کی تھی۔ امریکہ کا ہوائی فاتح چارلس اس مہم میں کامیاب ہو گیا۔ آج تمام دنیا کی نظریں اس نوجوان کے چہرے پر گڑی ہوئی ہیں جس کے رخسار ہنوز بچپن کے بھولے پن سے لبریز ہیں مگر جس کے دل میں نپولین اور واشنگٹن کا خون بھرا ہوا ہے!

اسنے اپنا ہوائی جہاز خود اپنی نگرانی میں بنوایا تھا اُس کا نام "گہوارۂ موت" رکھا تھا۔ اسکی چھت اکہری تھی۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ ایسے معمولی جہاز سے یہ مہم کیسے سر کی جا سکتی ہو؟ روانگی کی رات کو ہوا باز نے اپنا بہت سا وقت نیویارک کے ایک سینما میں گزارا۔ واپسی پر اُسنے خادم کو ہدایت کی کہ ٹھیک ۲ بجے رات کو جگا دے۔ چنانچہ اُسوقت سے اپنے جہاز کے پرزوں کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر امریکن گھڑی کے حساب سے ٹھیک، ۷ بجکر ۵۲ منٹ صبح، اور یورپین گھڑی کے حساب سے ۱۱ بجکر ۵۲ منٹ دوپہر کو نیویارک کے ہوائی اسٹیشن سے اُڑا۔ یہ ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء کا دن تھا۔

اس کی گود میں اُس کی عزیز سیاہ بلی بھی تھی اور وہ اُسے اپنے ساتھ لیجانا چاہتا تھا۔ مگر بعد میں یہ خیال کر کے کہ اتنی بلندی پر پہونچکر وہ شاید زندہ نہ رہے گی، اپنے ایک دوست کو یہ کہتے ہوئے دیدی "یہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو۔ اسکی خوب خاطر کرنا!"

جب جہاز کے انجن نے حرکت کی تو اُس کا ایک دوست رونے لگا۔ ہوا باز نے کہا "کیوں روتے ہو؟ رونے کی کوئی وجہ نہیں، خدا **حافظ!" اب "گہوارۂ موت" ہوا میں تھا!**

روانگی کے بعد نوجوان کی ماں نے کہا "چارلی، ضرور پیرس پہنچ جائے گا۔ مجھے یقین ہو۔ اگر جہاز میں جگہ ہوتی تو میں بھی اس کے ساتھ سفر کرتی!" زندہ قوم کی عورتوں کا یہ حال ہو!

۲۱ مئی کی شام کو "گہوارۂ موت" پیرس میں تھا! جہاز اُترتے ہی امریکن سفارتخانہ کا ڈاکٹر دوڑا اور ہوا باز کا طبی معائنہ کرنا چاہا۔ بہادر لڑکے نے ڈاکٹر کو روک دیا "کوئی ضرورت نہیں میں ذرا بھی تھکا نہیں ہوں"

پھر حاضرین کے اصرار پر اُسنے اپنے اس حیرت انگیز سفر کے متعلق صرف اس قدر کہا:

"نیویارک کے رصد خانے نے اُڑنے سے پہلے مجھے خبر دی کہ فضا کی حالت بہت ہی خراب ہو۔ راستہ میں مجھ اس کی پوری تصدیق ہو گئی۔ ۱۶۰۰ کیلومیٹر مسافت میں نے سخت برفانی آندھیوں میں طے کی۔ میں اس طوفان سے بچنے کے لئے کبھی ۳۰۰۰ میٹر بلندی پر اُڑ جاتا تھا اور کبھی اتنا نیچا ہوتا تھا کہ سمندر کو چھو سکتا تھا۔ میں اس حال میں سطح سمندر سے صرف ۳ میٹر بلند ہوتا تھا۔ راستہ بھر مجھے ذرا بھی نیند محسوس نہیں ہوئی۔ میں ایک ایسی حالت میں تھا جو نیند کی حالت قبول نہیں کر سکتی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پیرس سے بھی آگے تک میں جا سکتا تھا۔ کیونکہ میرے جہاز میں کافی پٹرول بچ رہا ہو"

اس گفتگو کے بعد ہوا باز آرام کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے **دن امریکن سفارتخانے میں اُسے مدعو کیا۔ یہاں سفیر نے بے تار کی تار برقی کے** ذریعہ نوجوان کی ماں سے گفتگو کا انتظام کر رکھا **تھا۔**

"ہیلو" ہوا باز نے اپنی ماں کو مخاطب کیا "معاملہ کچھ بھی نہ تھا! تم خیریت سے ہو گی۔ میں بالکل تندرست ہوں۔ مہم سر ہو گئی!"

"سب سے زیادہ کٹھن گھڑی کون سی تھی؟" اخبار نویسوں **نے سوال کیا۔**

"**سب سے زیادہ کٹھن گھڑی، پیرس پہنچنے اور لاکھوں آدمیوں کے ہجوم میں گھرے** ہونے کی گھڑی تھی" ہوا باز نے مسکراتے **ہوئے جواب دیا** "نیویارک سے پرواز بہت ہی تکلیف دہ تھی **میں سمجھتا تھا** اس سے زیادہ تکلیف پیش نہیں آئے گی۔ لیکن سمندر پر پہنچنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ تکلیف کچھ بھی نہ تھی۔ میں اب نہایت ہی کثیف کہر میں گھر گیا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا برف کی ہولناک بارش ہو رہی تھی اور میں بار بار ہمت ہار جاتا تھا میں نے بڑی کوشش کی کہ برفانی طوفان کے اوپر نکل جاؤں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اسوقت میں نے ناامیدی محسوس کی اور واپسی کا خیال کیا۔ مگر ناکامی کی ذلت، موت سے زیادہ سخت تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا "ایک دن مرنا ہو۔ کچھ پرواہ نہیں اگر اسی سمندر میں قبر بنجائے" میں برابر جد و جہد کرتا رہا یہاں تک کہ طوفان نکل گیا اور موسم خوشگوار ہو گیا۔ دوسرے دن دوپہر کے قریب مجھے سمندر میں ماہی گیروں کی چند بادبانی کشتیاں نظر آئیں۔ اب میری مسرت ناقابل بیان تھی۔ میں بالکل نیچے اُتر آیا۔ قریب تھا میرا جہاز کشتیوں کے مستول سے ٹکرا جائے۔ میں نے چلا کر کہا "کیا یہی آئرلینڈ کا راستہ ہو؟" وہ حیرت سے میرے جہاز کو تک رہے تھے۔ شاید مجھے مجنوں سمجھے۔ اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا یا دیا اور میں نے سنا نہیں۔ بہرحال تقریباً ۴ بجے شام کو مجھے دُور زمین دکھائی دی۔ میں پھر نیچے اُتر آیا اور غور سے وہ سنگلاخ چٹانیں دیکھیں جو سمندر میں بھوتوں کی طرح سر نکالے کھڑی تھیں۔ میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ آئرلینڈ ہو۔ اب مجھ اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ میں آئرلینڈ اور انگلینڈ کی فضا میں بالکل نیچے اُڑ رہا تھا مگر کسی نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں راستہ بھولا نہیں۔ سیدھا پیرس آ گیا۔ لیکن عین وقت پر یہاں کے ہوائی اسٹیشن کا راستہ بھول گیا۔ مگر زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ اسٹیشن کی روشنی نے میری رہنمائی کی"

اس گفتگو کے بعد ہوا باز کپتان نجیسر کی ماں سے ملنے گیا۔ پیرس کی نازنینوں نے جو خوبصورت نجیسر کھو چکی ہیں، اُسے دیکھا تو چلائیں "واقعی یہ خوبصورت ہو!"

غرضکہ وہ ہوائی مہم سر ہو گئی جو اب تک ناممکن معلوم ہوتی تھی، نیویارک سے پیرس تک ۶ ہزار کیلومیٹر کی مسافت ایک پرواز میں طے ہو گئی اور صرف ساڑھے ۳۳ گھنٹوں کی مدت میں!

۲۵ ہزار ڈالر مہم سر کرنے والے کے لئے انعام تھا۔ ۲۲ سالہ نوجوان چارلس نے اُسے حاصل کر لیا!

دُنیا کی بہترین پنسل
امریکن کارخانہ "شیفر"
کی
"لائف ٹائم" پنسل ہو
اسلئے کہ
(۱) "لائف ٹائم" یعنے عمر بھر کے لئے کافی ہو۔
(۲) اُسکا خول اس قدر خوشنما اور دیدہ زیب ہو کہ دنیا کی کوئی پنسل خوبصورتی میں اُسکا مقابلہ نہیں کر سکتی،
(۳) ارزانی میں بھی تمام قسموں کی پنسلوں کا مقابلہ کرتی ہو
یاد رکھئے
آپکو "لائف ٹائم" پنسل خریدنی ہو!

مقالات

اسلام اور نیشنلزم

۳

عصبیت نسل و وطن

گذشتہ مجلس میں ہم اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اسلام کی دعوت "انسانیت" اور "انسانی برادری" کی دعوت تھی۔ اس لئے اُس کا رجحان ان تمام تعصبات کے خلاف تھا جو نسل و وطن کے قیاسات سے پیدا ہوگئے تھے۔ اب ضروری ہو کہ مختصراً عصبیت نسل و وطن کی بھی تشریح کردی جائے۔ تاکہ واضح ہوجائے کہ اسلام کی روح جس چیز کی مخالف ہو، وہ صاف اور معین صورت میں کیا ہو؟

دو چیزیں ہیں: ایک نسل و وطن کا تحفظ ہو۔ ایک نسل و وطن کا تعصب ہو۔ اسلام کی روح تعصب کی مخالف ہو۔ تحفظ کی مخالف نہیں ہو۔ لیکن مشکل یہ ہو کہ جب کبھی کوئی اس طرح کا دائرہ بنتا ہو، تو گو اس کی ابتدا تحفظ کے جذبات سے ہوتی ہو، لیکن آگے چلکر تحفظ تعصب کی شکل اختیار کرلیتا ہو۔ پہلے انسانوں کی ایک جماعت وطنیۃ اور قومیت کا دائرہ اس لئے کھینچتی ہو تاکہ اُس کے اندر رہکر دوسروں کے حملوں سے اپنی حفاظت کرے، یہ قومیت "دفاعی قومیت" ہوتی ہو۔ لیکن جب کچھ عرصہ تک یہ دائرہ قائم رہتا ہو تو پھر قومی حفاظت کی جگہ قومی برتری اور وطنی گھمنڈ کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہو، اور "دفاعی قومیت" اچانک "ہجومی قومیت" کی شکل اختیار کرلیتی ہو۔ اب قومیت اپنا بچاؤ ہی نہیں چاہتی۔ دوسروں پر حملہ بھی کرنا چاہتی ہو۔ ساتھ ہی نسلی اور قومی برتری کا نشہ دوسرے انسانوں سے علحدگی اور ان کی تحقیر و تذلیل کے جذبات بھی برانگیختہ کردیتا ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا ہو کہ مختلف قومی حلقوں میں باہدگر تصادم شروع ہوجاتا ہو، اور انسانیت کے تمام اعلیٰ جذبات افسردہ ہوکر رہجاتے ہیں۔

اس صورت حال کا علاج صرف یہی تھا کہ حتی الامکان تنگ دائروں کا قیام ہی روک دیا جائے۔ جب کبھی کوئی تنگ دائرہ بنے گا، تو چونکہ یہ حقیقی انسانی دائرہ کی وسعت میں قطع برید ہوگی، اس لئے ضروری ہو کہ وسعت نظر و احساس کی جگہ تنگی نظر و ضیق صدر کی بنیادیں پڑجائیں۔ اسلام نے اسی لئے ان تمام تنگ دائروں کی ہمت افزائی کرنے سے انکار کردیا، لیکن افسوس ہو کہ دنیا ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی تھی کہ اس وسعت نظر کی متحمل ہوسکتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا ایک ایسا دائرہ تو بن گیا جو تمام پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہو لیکن نوع انسانی کی حدبندیاں نہ ٹوٹ سکیں!

وطنی و نسلی عصبیت کی اگر تحلیل کی جائے تو تین چیزیں ایسی نکلیں گی جنھیں خاص خاص لفظوں میں تعبیر کرکے بتلایا جاسکتا ہو کہ اس عصبیت کے عناصر کیا کیا ہیں:

(۱) جماعتی تنگ نظری۔

"جماعتی تنگ نظری" سے مقصود یہ ہو کہ جب انسانوں کا کوئی گروہ دوسروں سے الگ ہوکر ایک چھوٹے سے دائرہ کے اندر محصور ہوجاتا ہو، تو اس کا دل تنگ، نظر محدود، اور ظرف کوتاہ ہوجاتا ہو اُس کی ذہنیت ایک محدود گوشے کے اندر سکڑ کے رہجاتی ہو۔ اُس کا جماعتی دماغ نظر کی وسعت، حوصلہ کی فراخی، اور ارادوں کی بلندی پیدا نہیں کرسکتا۔ زندگی اور زندگی کے ہر گوشہ میں پیمانۂ فکر وسعت سے ناآشنا ہوجاتا ہو۔ انسانی ہمدردی کے جذبات بھی نہایت تنگ اور محدود ہوجاتے ہیں۔ وہ صرف اپنے کو اور اپنے تنگ گوشے ہی کو دیکھتا رہتا ہو۔ اُس سے باہر کا کوئی اثر قبول نہیں کرسکتا۔ وہ انسان ہونے پر بھی نوع انسانی سے الگ رہنا چاہتا ہو۔ اُس میں اور انسانیت میں ایک ناقابل عبور دیوار کھنچ جاتی ہو!

جماعتی مزاج کی اس حالت کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ واضح مثال ہندوستان کی ہم ذاتوں کا نظام (کاسٹ سسٹم) ہو۔ یہ دنیا کے اُس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور دیرپا یادگار ہو جب اُس کے قدم "قبیلہ" کی منزل میں جم چکے تھے۔ "قبیلہ" کی حدبندی کو منو نے ذات کی تقسیم میں منقسم کردیا، اور جماعتی حدبندی کی حفاظت کے لئے اُنکے الگ الگ کام اور پیشے قرار دیدیئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ "انسانیت" کے تمام اعلیٰ جذبات فنا ہوگئے، اور حلقہ بندی کی ساری تنگ نظریاں اپنی انتہائی حالت میں پیدا ہوگئیں۔ اب دنیا منو کے عہد سے ہزاروں برس آگے بڑھ چکی ہو لیکن ہندوستان اب بھی طیار نہیں ہو کہ ان حدبندیوں کی سرحد عبور کرکے انسانیت کی وسعت کی طرف قدم اُٹھائے!

(۲) نسلی اور وطنی غرور و کبر۔

دوسری چیز نسلی اور وطنی بڑائی کا گھمنڈ ہو اور اس سے بڑھکر انسانیت اور انسانی حقوق کے لئے کوئی جذبہ مہلک نہیں یہ اعتقاد اور عمل کے تمام گوشے پامال کردیتا ہو۔ انسانیت، عمل، استعداد، اور حق کی جگہ ایک غیر طبعی معیار فضیلت، اپنے نسل اور وطن کا معیار قائم ہوجاتا ہو۔ اس کے قدیم نمونے عرب جاہلیت کے غرور نسب اور ہندوستان کے برہمنوں کے نسلی گھمنڈ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ نئے نمونے یورپ کی قومیتوں اور جنسیتوں کی شکل میں دنیا کے سامنے ہیں۔ علم، استعداد اور مساوات کی اس سب سے بڑی صدی میں بھی ایک انگریز سب سے پہلے انگریز ہونے کو اور ایک امریکن سب سے پہلے امریکن ہونے پر نظر رکھتا ہو!

البتہ یاد رہو کہ "غرور" اور "خودداری" میں فرق ہو۔ جماعت اور فرد دونوں کے لئے مذموم غرور و کبر ہے۔ خودداری نہیں ہو۔

(۳) جماعتی برتری کا غلو۔

تیسری چیز وہ ہو جسے "جماعتی برتری کے غلو" سے تعبیر کرنا چاہئے۔ جب ایک دائرہ وطنیۃ اور قومیت کا بن جاتا ہو، تو آہستہ آہستہ اس میں قومی برتری کے جذبات نشوونما پانے لگتے ہیں۔ ایک خاص حد تک تو اُن میں غلو نہیں ہوتا، لیکن جب اُس حد سے متجاوز ہوجاتے ہیں، تو پھر قومی گھمنڈ اور کبریائی کا ایک جنون ہوتا ہو جس کے نشہ سے قوم کا ہر فرد متوالا ہوجاتا ہو۔ وہ چاہتا ہو نوع انسانی کا ہر فرد اسکی قومی برتری کے سامنے سربسجود ہوجائے اور زمین کا ہر ٹکڑہ اس کے قدموں سے پامال ہو۔ اُسکی حرص غیر محدود اور اس کے قومی مطامع لامتناہی ہوتے ہیں۔ رومیوں نے ساری دنیا کو دو قسموں میں بانٹ دیا تھا: حاکم اور محکوم۔ وہ صرف اپنے کو حاکم قوم سمجھتے۔ باقی ساری دنیا محکومیت کے لئے تھی۔ نپولین کی پے درپے لڑائیوں نے فرانس کی آبادیاں جوان مردوں سے خالی کردیں۔ اُس کی عالمگیر اولوالعزمیوں کی وجہ سے تمام یورپ فرانس کا دشمن ہوگیا۔ تاہم نپولین جو جماعتی دماغ کے بھیدوں کا سب سے بڑا نباض تھا، جب کبھی عوام کے سامنے آتا اور نعرہ لگاتا۔ "فرانس کی عظمت، فرانس کا جھنڈا، فرانس کے جھنڈے کے تین رنگ" تو فرانس اپنی ساری بربادیاں اور خونریزیاں بھول جاتا اور وطنیۃ کے جنون سے بیخود ہوکر پکارنے لگتا "زندہ باد فرانس" اتنا ہی نہیں بلکہ قومی اور وطنی گھمنڈ کے اس نشہ میں وہ یہ بھی بھول جاتا کہ جس شاہی استبداد سے نجات پانے کے لئے اُس نے ہزاروں فرانسیسیوں کے سر گلوٹین کی چھری سے جدا کردیئے تھے: وہی استبداد آج نپولین کی شخصیت میں ایک درجہ اور شدید ہوکر موجود ہوگیا ہو، اور شاہی کی جگہ "شہنشاہی" اُس پر مسلط ہو۔ وہ دیوانہ وار پکارتا "زندہ باد شہنشاہ"!

نیتشے اور برن ہارڈتی نے جرمنی کو "حاکم قومیت" اور "محکوم دنیا" کا جو جام پلایا تھا، اُس کی سیہ مستیاں بھی دنیا دیکھ چکی ہو۔ "دنیا میں سب سے بڑی قوم جرمن کو ہونا چاہئے یا برطانیہ کو؟" اس سوال نے ۵ برس تک تمام کرۂ ارضی کو خون اور آگ کے حوالے کردیا۔ آج "برطانی شہنشاہیت" کا بے پناہ جذبہ دنیا کی کسی قوم کو سر اُٹھانے نہیں دیتا۔ سب کو پامال اور سربسجود دیکھنا چاہتا ہو۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ بھی وہی قومی برتری کا غلو اور جنون ہو۔ "قومیت" کا وہی حلقہ جو کبھی اس لئے بنا تھا کہ اپنی حفاظت کرے۔ اب اس لئے باقی ہو تاکہ دنیا کی کسی قوم اور ملک کے لئے حفاظت باقی نہ رہے!

اسلام کی دعوت جس عصبیت کی مخالف تھی اور جسے اسنے "عصبیۃ جاہلیۃ" سے تعبیر کیا، وہ یہ عصبیت ہو۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ اُسنے "وطنیۃ" اور "قومیت" کی جس حالت سے اختلاف کیا، وہ وہی حالت ہو جب دفاع اور تحفظ کی جگہ ہجوم اور تعصب کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں البتہ: چونکہ اصل بنیاد اس حالت کی یہی ہو کہ انسانیت کے وسیع رشتے کی جگہ تنگ اور محدود دائروں کا پیدا ہوجانا، اس لئے اس کی ذہنیت کا عام رجحان اسی طرف رہا کہ سرے سے تنگ دائرے وجود ہی میں نہ آئیں۔

۴

یورپ کی جدید قومیت

"قومیت" اپنے سادہ معنوں میں اگرچہ پہلے سے موجود تھی، لیکن موجودہ زمانے میں "قومیت" کے لفظ سے جن اجتماعی عقائد و جذبات کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہو، یہ دراصل یورپ کے نئے عہد تمدن کی پیداوار ہو۔ اس کی پیدائش انسانی آزادی و حقوق کی حفاظت کے لئے ہوئی تھی، لیکن اب انسان کی آزادی و حقوق کے لئے یہی چیز سب سے بڑی مصیبت بنگئی ہو!

دفاعی قومیت کی پیدائش

از منۂ وسطیٰ (مڈل ایجز) کے بعد جب یورپ نے کروٹ بدلی اور نئے تمدن کی نشوونما شروع ہوئی، تو اُس کے ساتھ ساتھ ایک نئے قسم کی اجتماعی زندگی بھی نشوونما پانے لگی۔ یہ وہ وقت تھا، جب ایک طرف علم اور آزادی کی رُوح تمام یورپ میں پھیل رہی تھی، دوسری طرف شخصی حکومتوں کا استبداد اور اجنبی تسلط کا ظلم اپنی تمام پُرانی روایتوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نئی کش مکش شروع ہوگئی۔ ایک طرف شاہی تاج و تخت اور اس کے غیر محدود دعوے تھے۔ دوسری طرف علم و آزادی کے پیدا کئے ہوئے نئے نئے اصول اور نئے نئے ولولے تھے۔ تاج وتخت کے مقابلے میں جب عوام کے جذباتِ آزادی جوش میں آئے تو خود بخود ایک نہایت موثر اور طاقتور لفظ وجود میں آگیا یہ لفظ پہلے سے موجود تھا لیکن اس کے ساحرانہ معانی لوگوں کو معلوم نہ تھے۔ اب ہر شخص کے سامنے آگئے۔ یہ لفظ "قوم" تھا، اور یہ انکشاف "قوم ہونے" یعنے "قومیت" کا انکشاف تھا۔ شاہی تاج وتخت کا دعوا تھا جیسا کہ بدنصیب لوئس شانزدہم نے بعد کو کہا: "حق اور طاقت میں ہوں" عوام اب اسے تسلیم کرنے کے لئے طیار نہ تھے۔ خود بخود سوال پیدا ہوگیا کہ اگر شاہی نسل اور تاج وتخت کی وراثت، حق اور طاقت کا جائز سرچشمہ نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ وہ کونسی قوت ہے جس کے سامنے شاہی تاج وتخت کو بھی سر جھکا دینا چاہئے؟ خود بخود جواب پیدا ہوگیا کہ "قوم" ہے۔ صرف "قوم" ہی ہر طرح کے حق وطاقت کا سرچشمہ ہے۔ صرف "قوم" ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے اوپر حکومت کرے!

"رعیت" اور "قوم"

اُس وقت تک عوام کا اعتقاد یہ تھا کہ طاقت کا مرکز شاہی تاج وتخت ہے۔ اب طاقت کا ایک نیا مرکز نمودار ہوگیا جو خود اُسی کے اندر پوشیدہ تھا مگر اُسے خبر نہ تھی۔ یہ "قوم" اور "قوم ہونے" کی طاقت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یکایک صورت حال میں ایک عظیم انقلاب ہوگیا۔ یعنی "رعیت" کی جگہ "قومیت" نے لے لی۔ اب عوام "رعیت" نہ تھے۔ "قوم" تھے۔ جب تک وہ "رعیت" تھے، ساری قوت شاہی اور شاہیت میں مرتکز تھی۔ اب وہ "قوم" ہوگئے تو ساری قوت خود اُنہی میں سمٹ آئی۔ صرف اتنی تبدیلی نے دنیا کی اجتماعی زندگی کا پورا نقشہ بدل دیا۔ کارلائل CARLYLE کے بلاغت طراز لفظوں میں "رعیت کا قوم ہوجانا دنیا کا ایک ہی مرتبہ اُلٹ پلٹ ہوجانا تھا۔ زبانوں کا کوئی لفظ بھی اُس انقلاب حال کی تعبیر نہیں کرسکتا جو صرف ان دو سادہ لفظوں کے اُدل بدل ہوجانے سے نوع انسانی کی تاریخ میں پیدا ہوگیا!"

دنیا میں صرف انسان ہی پیدا نہیں ہوتے۔ الفاظ بھی پیدا ہوتے ہیں، اور جس طرح ایک عظیم انسان کی پیدائش دنیا کے انقلاب کی پیدائش ہوتی ہے، اُسی طرح بعض عظیم لفظوں کی پیدائش میں بھی عظیم انقلابات مضمر ہوتے ہیں۔ بلاشبہ لفظ "قوم" کی پیدائش تاریخ کا انقلاب عظیم تھا، لیکن اگر کارلائل چند قدم آگے بڑھ سکتا تو دیکھتا کہ دُنیا کا سب سے بڑا انقلاب لفظ "قوم" کی پیدائش میں نہیں بلکہ "انسان" کی پیدائش میں مضمر ہے۔ کون ہے جو اُس انقلاب کی عظمت کا نقشہ کھینچ سکتا ہے؟

جن ہاتھوں نے انقلاب فرانس کی ابتدائی تخم ریزی کی تھی، اُن میں والٹیر Voltaire اور روسو Rousseau سب آگے ہیں۔ روسو کی کتاب عقد اجتماعی Social Contract دنیا کے جدید جمہوری عہد کا اولین صحیفہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب جب لکھی گئی تھی، تو لوگ اس کی خیالی نقشہ آرائیوں پر ہنستے تھے لیکن کارلائل کے تاریخی اور ضرب المثل لفظوں میں "جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اُس کی جلد باندھنے کے لئے اُن لوگوں کا چمڑا استعمال میں لایا گیا جنھوں نے اس کی ہنسی اُڑائی تھی!"

روسو نے انسانی آزادی وحقوق کا نقشہ کھینچتے ہوئے قوم اور قومیت کے بھی خال وخط آراستہ کئے ہیں۔ وہ انسان کی انفرادی آزادی کے اعتقاد کے ساتھ "قوم" کا حلقۂ ارتباط بھی قائم کرتا ہے اور اسے ایک "معاشرتی معاہدہ" سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے سوسائٹی کا ہر فرد آزاد ہے اور تمام افراد کے حقوق مساوی ہیں، لیکن سوسائٹی کا انتظام قائم رکھنے کے لئے ایک منظم حلقہ کی ضرورت ہے۔ یہ حلقہ قومی نظام کا حلقہ ہے۔ "قوم" اور "قوم ہونا" ہی وہ تنہا نظام ہے جسے حکم اور نظم کی ساری قوتیں حاصل ہونی چاہئیں۔ اسمیں شک نہیں کہ روسو نے جس آزاد نظام معاشرت اور دنیا کے "آزاد اور روشن عہد" کا خواب دیکھا تھا، اُس کی تعبیر دنیا کو نہیں ملی، لیکن اُس کے "قومیت" اور "جمہوریت" کے اصول دُنیا نے بغیر کسی تامل کے قبول کرلئے، اور پھر انقلاب فرانس کا وہ خونیں سیلاب نمودار ہوا جو عہد قدیم کے تمام شخصی اور شاہی اصول وعقائد بہالے گیا!

گذشتہ دو صدیوں سے دنیا "قومیت" کے انہی بنیادی اصول پر گامزن ہے۔

جدید "قومیت" کے مبادیات

یہ جدید "قومیت" جن مبادیات اور عقائد پر قائم ہوئی، اسکے اہم اصول حسب ذیل ہیں:

(۱) باشندوں کا جو گروہ کسی خاص جغرافیائی حدود کے اندر، نسل، یا وطن، یا زبان، یا معاشرت کی یکانگت کی بنا پر آباد ہو، جب اُس کے افراد اپنے آپ کو ایک "قوم" محسوس کریں، تو وہ ایک "قوم" ہیں، اور کسی کو حق حاصل نہیں کہ انکے "قوم" ہونے سے انکار کرے۔

(۲) ہر قوم کا پیدائشی اور فطری حق ہے کہ وہ آزاد رہے، اور اپنی پسند کے مطابق اپنے تمام معاملات کا فیصلہ کرے۔ کسی دوسری قوم کو حق نہیں کہ اسمیں مداخلت کرے۔

(۳) "قومی آزادی" کے حق کی بنا قدرتی حق ہے، نہ کہ طاقت اور تحفظ۔ اگر ایک قوم کمزور ہے، یا اپنے معاملات کا بہترین انتظام نہیں کرسکتی، تو اس کی وجہ سے کسی دوسری طاقتور یا زیادہ شائستہ قوم کو یہ حق حاصل نہیں ہوجاتا کہ اُس پر حکومت کرے۔ طاقت کے ذریعہ کسی قوم کے حق قومیت کو سلب کرنا، دُنیا کے عالمگیر اور قدرتی قانون کی خلاف ورزی ہے۔

(۴) ہر طرح اور ہر نوعیت کی بالادستی اور اقتدار کا مرکز "قوم" ہے۔ کوئی جماعت یا کوئی فرد کوئی ایسا اختیار کام میں نہیں لا سکتا جسے براہِ راست قوم سے بطریق جائز حاصل نہ کیا گیا ہو۔

(۵) قوم کے تمام افراد اپنے تمام شہری، معاشرتی، اور قانونی حقوق میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ نسل، خاندان، اور پیشہ کی وجہ سے کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوسکتا۔ معاشرتی ترقی وتنزل کا معیار ہر فرد کی قدرتی اور اکتسابی قابلیت ہے۔ نہ کہ نسل وخاندان۔

قوم، قومیت، اور قومی حقوق کے یہ مبادیات دراصل انسانی آزادی وحقوق کے اُسی مواد سے پیدا ہوئے تھے جنھیں یورپ میں نئے تمدنی عہد نے پیدا کیا تھا۔ اور جن کے واعظ والٹیر، روسو، اور فرانس کے انسائیکلوپیڈین اصحاب تھے۔ "قوم" اور "قومیت" کے حقوق اس نقطہ سے شروع ہوئے کہ انسان اور انسان کے حقوق کیا ہیں؟ اس اصل نے کہ "ہر انسان فطرۃً آزاد ہے اور اس کی آزادی کے لئے کوئی روک نہیں ہونی چاہئے جب تک وہ کسی دوسرے کی آزادی کے لئے روک نہ ہو" یہ قاعدہ بھی پیدا کردیا کہ "ہر قوم کو آزاد ہونا چاہئے۔ اور کسی فرد یا جماعت کو یہ حق نہیں کہ اُس کی آزادی میں خلل انداز ہو"

ان مبادیات کا جس سرزمین نے بحیثیت ایک قوم کے دُنیا میں اعلان کیا وہ امریکہ اور فرانس ہے۔ امریکہ کے اعلانات ۱۷۷۶ء اور ۱۷۷۹ء کے تاریخ میں ثبت ہوچکے ہیں۔ اُسنے انہی مبادیات کی بنا پر انگلستان کا مقابلہ کیا اور فتحمند ہوئی۔ فرانس کا اعلان اُسکے انقلاب کا اعلان ہے جو تاریخ میں "اعلانِ حقوق انسانی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جسے فرانسیسی اسمبلی نے ۲۶ر اگست ۱۷۸۹ء میں منظور کیا تھا۔

"ہجومی قومیت"

گذشتہ تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یورپ کی جدید "قومیت" کے عناصر انسانی آزادی وحقوق کے مواد سے حاصل کئے گئے تھے، اُس کا ظہور ہجوم کے لئے نہیں بلکہ دفاع کے لئے ہوا تھا۔ یہ دراصل پُورے معنوں میں "دفاعی قومیت" تھی جو شاہی استبداد اور اجنبی تسلط کا مقابلہ کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ ایک طرف مظلوم اور پامال رعایا اُٹھی تاکہ بادشاہوں اور امیروں کے ظلم وستم کے مقابلے میں "قومی حق" کا علم بلند کریں۔ دوسری طرف کمزور قوموں نے سنبھالا لیا تاکہ اجنبی حکمرانی کا مقابلہ کرنے کے لئے مرکز "قومیت" میں اپنی منتشر قوتیں جمع کرلیں۔ انگلستان اور فرانس نے شاہی تاج وتخت کے استبداد کا مقابلہ کیا۔ امریکہ نے انگلستان کی محکومیت سے انکار کردیا۔ یونان اور بلقانی قوموں نے عثمانی شہنشاہی سے آزادی حاصل کرلی۔ پولینڈ روسی تسلط کے خلاف بار بار اُٹھا اور مقابل ہوا۔ اٹلی نے آسٹریا کی فوجیں ہمیشہ کے لئے اپنے وطن سے باہر کردیں۔ اسی طرح یورپ کے ہر گروہ نے اپنے اپنے وطن کے جغرافیائی حدود بنائے اور اُن کے حصار میں اپنی "قومیت" کا قلعہ تعمیر کرلیا۔ نپولین کے زوال کے بعد جب یورپ کا نقشہ ازسر نو بنایا گیا، تو یہ وطنی اور قومی حد بندیاں نقشہ کے خطوط میں داخل ہوگئیں۔

لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ کیا انسانی، آزادی وحقوق کے وہ تمام اصول جو ان قومیتوں کا مایۂ خمیر تھے، دُنیا میں قائم ہوگئے؟ کیا امریکہ کے "اعلان آزادی" اور انقلاب فرانس کے "اعلان حقوق انسانی" کے مبادیات نے دُنیا کی تمام قوموں کے لئے حق و آزادی کی نعمت مہیا کردی؟ کیا واقعی طاقت کی جگہ حق کا اور استبداد کی جگہ آزادی کا دعویٰ تسلیم کرلیا گیا؟

دُنیا نے حیرت ودہشت کے ساتھ دیکھا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ وہی "قومیتیں" جو انسان کے انفرادی وقومی حقوق کی حفاظت اور دفاع کے لئے وجود میں آئی تھیں، کچھ دنوں کے بعد انسانی آزادی وحقوق کی پامالی وتلفات کا ذریعہ ہوگئیں۔ اُن کی ابتداء "دفاعی قومیت" سے ہوئی تھی لیکن اُن کا ظہور "ہجومی قومیت" کی شکل میں ہوا۔ جماعتی تنگ نظری، وطنی غرور وکبر، اور قومی برتری واقتدار کے تمام جذبات اُبھر آئے، اور انسانی آزادی وحقوق کے مبادیات واصول اس لئے رہ گئے کہ ہر قوم صرف اپنے لئے اُن کا نفاذ چاہے، اور اپنے سوا سب کو اُن سے محروم دیکھے!

یہ وہی "وطنی وقومی عصبیت" کی حالت ہے، جس کی تشریح اُوپر

گزر چکی ہے۔ یہ قومیت کا تحفظ نہیں ہے۔ قومیت کا تعصب ہے۔ یہ "انسانیت" اور "انسانی برادری" کے عین ضد ہے۔ یہ "انسانی آزادی و حقوق" کے اعتقاد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ آزادی کے نام سے آزادی کی پامالی، اور قومیت کے نام سے صرف طاقت کی معبودیت ہے!

نئی قومیت کے محاسن و مفاسد

اگر یورپ کی قومیتوں اور ان کے اعمال پر نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل حقیقتیں سامنے آئیں گی:

(۱) "انسانی آزادی" اور "قومی حقوق" کے مبادیات نئے قائم ہو گئے اور ان کی وجہ سے یورپ کے ذہن و اجتماع کا انقلاب عظیم وجود میں آگیا۔ جدید "قومیت" کے اصول و عقائد نے جماعتوں کے اندر ایک ایسی نئی اجتماعی طاقت پیدا کر دی جو تمام پچھلی اجتماعی طاقتوں سے زیادہ منظم اور قوی تھی۔

(۲) قومیت کے نشو و نما سے پہلے یورپ مذہبی تعصبات میں مبتلا تھا۔ مسیحیت کی مذہبی جکڑ بندیاں اتنی سخت تھیں کہ ذہن و دماغ کو ہلنے نہیں دیتی تھیں۔ اب "قومیت" کے فروغ نے مذہب کے تعصبات ڈھیلے کر دیئے۔ مذہب کی جگہ قومیت، اجتماع و ارتباط کا رشتہ بن گئی۔ قومیت نے جب سر اٹھایا تھا، تو اُسے شاہی استبداد سے کہیں زیادہ پوپ اور کلیسا کے استبداد کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ والٹیر نے بیت المقدس کی جگہ انسانی آزادی کے لئے جنگ مقدس (کروسیڈ) کا اعلان کیا تھا۔ جب اس معرکہ میں قومیت فتحمند ہوئی تو یہ فتح شاہی اور کلیسائی، دونوں طرح کے استبدادوں پر فتح تھی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قومیت جڑ پکڑتی جاتی تھی، اور مسیحی جمود اکھڑتا جاتا تھا۔

(۳) "قومیت" کے فروغ سے پہلے یورپ ذہن و اعتقاد کے جن دائروں میں بند تھا، وہ حد درجہ تنگ تھے۔ اس لئے قومیت نے پچھلے دائروں سے ایک زیادہ وسیع دائرہ مہیا کر دیا اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر گوشۂ فکر و عمل میں ایک ایسی وسعت پیدا ہو گئی جس کا اس سے پہلے وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(۴) مذہبی اور نسلی تعصبات کی جگہ "قومیت" کے قائم ہو جانے کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے اندر تمام جماعتیں اور تمام طبقات باہمدگر متحد اور منسلک ہو گئے۔ یہ احساس کہ "فلاں انسان ہمارا ہم قوم اور ہم وطن ہے" اتنا قوی اور موثر ہو گیا کہ اس پر کوئی تعصب غالب نہ آسکا۔ مسیحیت اور یہودیت کی تاریخی اور روایتی دشمنی مسلّم ہے۔ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی بدنصیب یہودیوں نے وہ ظلم و ستم برداشت نہ کئے ہونگے جو یورپ کی مسیحی حکومتوں میں انھیں صدیوں تک جھیلنے پڑے۔ اٹھارویں صدی کے اواخر تک کسی انسان کے لئے یہودی ہونا ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ لیکن اب "قومیت" کے جذبہ نے یہ تمام جذبات مغلوب کر دیئے۔ سب سے پہلے انگلستان اور فرانس نے، پھر بہ تدریج یورپ کی دوسری قومیتوں نے ان کا حق قومیت بھی اُسی طرح تسلیم کر لیا، جس طرح اُن ملکوں کے مسیحی باشندوں کا تسلیم کیا تھا۔ ایک یہودی، انگریز، فرانسیسی یا جرمن ہو کر اُسی طرح ان ملکوں کے شہری اور قومی حقوق سے متمتع ہونے لگا، جس طرح مسیحی باشندے ہوتے تھے۔ انیسویں صدی میں انگریز یہودیوں کے لئے تمام برطانی عہدوں اور منصبوں کے دروازے کھول دیئے گئے حتیٰ کہ وزارت کے بڑے سے بڑے مقام کے لئے بھی یہودیت مانع نہ رہی۔

یہ تھے "قومیت" کے محاسن تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی:

(۱) یہ جو کچھ بھی ہوا، صرف یورپ میں اور یورپ کے باشندوں میں ہوا۔ یورپ کے حدود سے باہر کے لئے نہ تو انسانی آزادی کا اعلان موثر ہو سکا، نہ قومی حقوق کا اعتقاد۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم رومن اصول کے مطابق یورپ نے فیصلہ کر لیا کہ دنیا برتر اور کمتر اقوام میں منقسم ہے۔ آزادی اور حقوق کے تمام اصول برتر اقوام کے لئے ہیں نہ کہ کمتر اقوام کے لئے۔ یورپ اور امریکہ دنیا کا نصف برتر حصہ ہے، بقیہ دنیا کمتر حصہ ہے۔ اس لئے اُسے کوئی حق نہیں کہ انسانی آزادی اور قومی حقوق کا مطالبہ کرے جو برتر انسانوں کے لئے مخصوص ہیں!

(۲) فرانس جس وقت اپنے ملک کے اندر تیسرے انقلاب آزادی کی طیاریاں کر رہا تھا، تو اُس وقت کسی فرانسیسی کے ذہن میں اس بات کا خطرہ بھی نہیں گزرا کہ اسی آزادی کی امیر عبد القادر جزائری اور اس کی بدبخت قوم کو بھی ضرورت ہے یا نہیں جسے فرانس نے اپنی فوجی طاقت سے غلام بننے پر مجبور کر دیا ہے؟ آج فرانس کی علم حریت "قومیت" شام میں جو کچھ کر رہی ہے، دنیا کے سامنے ہے۔ انگلستان کہتا ہے وہ چھوٹی قوموں کا محافظ ہے۔ آزادی کا پشت پناہ ہے۔ محب الوطنوں کے لئے گوشۂ امن ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کن حالات میں اور کن کے لئے ہے؟ بلاشبہ اُس نے روس کے فراریوں کو پناہ دی، فرانس کے جلاوطنوں کے لئے دروازے کھول دیئے، یونان کی آزادی کے لئے اپنا قومی شاعر بائرن پیدا کر دیا، اٹلی کے میزینی کو اپنی آبادیوں میں جگہ دے دی، اور یورپ کے بے شمار انقلابی نقشے لندن کی گلیوں اور مکانوں ہی میں کھینچے گئے؛ مگر مشرق اور ایشیا کے لئے اُس کی یہ "حریت پرور" قومیت کیا فیصلہ کرتی رہی؟ وہ روس اور آسٹریا کے مظلوموں کو پناہ دیتا رہا، لیکن خود اُس کے ظلم و تسلط کے مظلوموں کے لئے اُس کے پاس پناہ دینے کا کیا سامان تھا؟ جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ آج مشرق اور ایشیا کا ہر گوشہ زبان حال سے جواب دے رہا ہے!

(۳) چونکہ "دفاعی قومیت" کی جگہ "ہجومی قومیت" کا جماعتی مزاج پیدا ہو گیا تھا، اس لئے خود یورپ کو بھی اپنی "قومی عصبیت" کے نتائج سے نجات نہ مل سکی۔ بلاشبہ غیر یورپین اقوام و بلاد کے مقابلہ میں اُس نے اپنے لئے آزادی و حقوق کا ایک بلند معیار قرار دے لیا، لیکن یہ معیار گروہ بندی کی تنگ نظری اور قومی برتری و تسلط کے جذبات پر غالب نہ آسکا جو "ہجومی قومیت" کے لازمی خواص ہیں۔ "قومی برتری" کی حرص نے تصادم و کشاکش کی حالت پیدا کر دی، اور جماعتی ذہنیتوں پر "حق" کی جگہ اُسی "طاقت" کے ...... اصول کی فرمانروائی قائم ہو گئی جس کے خلاف اس زور شور سے اعلان جنگ کیا گیا تھا۔ "قومی برتری" کی اس کشاکش نے یورپین طاقتوں کے لئے ایک کبھی ختم نہ ہونے والی باہمی جنگ کی حالت پیدا کر دی ہے۔ ہر قومیت دوسری قومیت کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ مقابلہ کا ایک بڑا میدان مشرق کی کمزوریوں نے بہم پہونچا دیا۔ ہر قوم چاہتی ہے اس میدان میں سب سے بڑھ کر غاصب اور سب سے زیادہ طامع ثابت ہو۔ استعمار، تجارت، اسلحہ سازی، مادی تقدم، اور معنوی نفوذ! ہر گوشہ میں دوڑ جاری ہے۔ پچھلی عالمگیر جنگ قومی مزاج کی اسی مجنونانہ حالت کا نتیجہ تھی، اور ابھی اُس کے عالمگیر مذبح کا خون خشک نہیں ہوا تھا کہ ایک دوسرے تصادم کا میدان طیار ہونے لگا!

(۴) اسی طرح قومی "عصبیت" کی ساری مزاجی کیفیتیں اپنی پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو گئیں۔ تمدن کی ترقی جذبات و امیال کی صورت بدل دیتی ہے۔ روح نہیں بدل سکتی۔ حرص جاہلیت کا غرور اور ہندوستان کے برہمنوں کی مغرورانہ تنگ دلی ایک دوسری صورت میں اُبھر آئی جو پہلی صورت سے کہیں زیادہ طاقتور اور بے پناہ ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ "انسانیت" کا دائرہ اب بھی ویسا ہی تنگ ہے جیسا پہلے تھا۔

رَدِ فعل

ضروری تھا کہ اس حالت کا رد فعل پیدا ہو۔ "ہجومی قومیت" کا مجنونانہ غلو اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب دنیا کا تغیر پسند مزاج زیادہ عرصہ تک متحمل نہیں ہو سکتا۔

انیسویں صدی ابھی زیادہ آگے نہیں بڑھی تھی کہ اس کے آثار شروع ہو گئے۔ سوسائٹی کے نچلے طبقوں نے دیکھا کہ آزادی اور مساوات کی اتنی ہنگامہ آرائیوں کے بعد بھی حقیقی آزادی اور مساوات بدستور مفقود ہیں۔ موجودہ نظام قومیت جو آزادی و مساوات کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا، اب خود آزادی و مساوات کی راہ میں روک بن گیا ہے۔ نئے دور سے پہلے دنیا کا استبداد اور غیر مساویانہ امتیاز چند افراد اور خاندانوں میں محدود تھا۔ اب وہ بڑے گروہوں میں پھیل گیا ہے۔ اس لئے حق و مساوات کے مقابلہ میں طاقت اُتنی سمٹی ہوئی اور مرکز کی حالت میں نہیں ہے جس قدر پہلے تھی۔ تاہم جہاں تک انسانی آزادی و مساوات کا تعلق ہے، نوع انسانی اب بھی اُس سے اُسی طرح محروم ہے جس طرح پہلے تھی!

اس سے بھی زیادہ یہ کہ سرمایہ داری کی طاقت نے اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ اقتدار حاصل کر لیا ہے۔ پہلے انسانوں پر جو اقتدار و تسلط صدیوں کی شاہی نسل اور امیرانہ روایت حاصل کر سکتی تھی اب وہ اختیار چند مہینوں اور برسوں کے اندر ایک سرمایہ دار محض روپیہ کے ذریعہ حاصل کر لیتا ہے اور دنیا کی صلح و جنگ اور ملکوں اور قوموں کی حکومت و محکومی کی باگ فوراً اُس کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے!

انیسویں صدی کے "سوشیلزم" کی تخم ریزی اسی رد فعل کا نتیجہ تھی۔ اب یہ بڑھتے بڑھتے "کمیونزم" تک پہونچ گیا ہے، اور صرف یورپ کا نظام قومیت بلکہ ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کا پورا نظام اُلٹ دینا چاہتا ہے۔

عالمگیر جنگ یورپ اس نظام قومیت کی نامرادیوں کا سب سے بڑا اعلان تھا۔ ۵ سال تک خون اور آگ میں رہ کر جب دنیا نے دوبارہ سنبھالا لیا تو زندگی اور امن کی جستجو از سر نو شروع ہو گئی۔ اُن تمام لوگوں نے جن کی ذہنیت کسی قومی نظام حکومت کی غرض پرستیوں سے آلودہ نہ تھی، محسوس کر لیا کہ پچھلا نظام اب دنیا کو زیادہ عرصہ تک مطمئن نہیں رکھ سکتا۔ یورپ کے حکما اور مفکرین میں ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو قومیت کی اس عصبیت سے اکتا گیا ہے اور "قومیت" کی جگہ "انسانیت" کی وسیع فضا ڈھونڈھ رہا ہے۔ طرح طرح کے نئے نظریئے اور نئی تجویزیں دماغوں میں نشو و نما پا رہی ہیں۔ "دنیا کے نظام اجتماع کی نئی تقسیم" اور "انسانی برادری کا غیر مشروط حلقہ" وقت کا سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ موضوع فکر ہے۔

اگر بحیثیت مجموعی دنیا کی موجودہ ذہنی فضا پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک موسم ختم ہو رہا ہے اور دوسرے کی آمد آمد ہے۔ جس زمانہ سے ہم گذر رہے ہیں، عجب نہیں مستقبل کا مورخ اسمیں عہد تداخل کے آثار کی جستجو کرے۔ نہیں کہا جا سکتا نئے موسم کا پیغام کیا ہوگا؟ لیکن یہ ضرور ہے کہ دنیا اس وقت تک جن اجتماعی دائروں میں محصور رہی ہے اُس سے ایک زیادہ وسیع

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے:

J. & E. Bumpus Limited
350: Oxford Street
LONDON, W. I

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ۔

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں۔

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں۔

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے۔

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی، اور سستے سے سستے ایڈیشن۔

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔

قرآن مجید

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن

یہ ترجمہ جسکے لئے مسلمان مدتوں سے سراپا انتظار تھے بفضلہ تعالی نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب کیا جا رہا - اب تک جسقدر ترجمے قرآن پاک کے ہوچکے ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے - تحت لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس ہے - زبان ایسی شستہ اور صاف ہے جس کو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھ سکے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلی زمین حنائی چھپی ہوئی پختہ ہے - ہدیہ مجلد چرمی منقش نقرئی پندرہ روپئے - جلد اعلی منقش طلائی ۱۸ روپیہ محصولڈاک و خرچ پیکنگ ۲ روپیہ فرمایش

کے ساتھ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری ہیں - نمونہ مفت

اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ع سے قابل اہل قلم اڈیٹروں کی زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے - آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار' اردو جرائد میں کثیر الاشاعت' سیاست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا مشتہر' عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ' دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنے والا' ملاحظہ و مطالعہ خود ہمارے بیان کی تصدیق کردیگا - نمونہ مفت - قیمت سالانہ ۹ روپیہ - ششماہی تین روپیہ آٹھ انہ - سہ ماہی ۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ -

---

غنچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچوں کا اتالیق' طالب علموں کا استاد' علم و فن کا خزینہ' معلومات نئی کان اخلاقیات و ادبیات کا گنجینہ' ہفتہوار خاص ملک و ملت کے نونہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے - زبان سلیس اور عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے قیمت سالانہ ۳ روپیہ -

---

ر احمد مجید حسن: مالک اخبار مدینہ و غنچہ - بجنور

آب حیات

جملہ اقسام کی انسانی و حیوانی بیماریوں کا فوری علاج جس کے متعلق بیس (۲۰) سال میں تیس (۳۰) ہزار سرٹفکیٹ موصول ہو چکے ہیں قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (عہ) نمونہ کی شیشی ۸/

اکسیر عنبری مقوی اعضائے رئیسہ اور مردانہ طاقت بڑھانے والی گولیاں - قیمت فی شیشی چار روپیہ (۴)

نمک سلیمانی معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے اور خون صالح پیدا کرنے کی بہترین دوائی ہے

قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲/)

مفصل فہرست ادویہ مفت

مینجر کارخانہ آب حیات پنڈی بہاؤالدین (پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,

PINDI BAHA-UD-DIN, PUNJAB.

اسلامی مذاق کی کتابیں

قرآن - حدیث - تصوف - فقہ - عقائد - تاریخ اور علوم جدیدہ پر بہترین اور تازہ کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری فہرست منگائیں - سرمایہ دار اگر دینی کتابوں کی تجارت پر روپیہ لگا کر فائدہ اٹھانا چاہیں تو قواعد منگا کر ملاحظہ فرمادیں - پتہ یہ ہے

مینجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

The SUFI PRINTING and PUBLISHING Co. LTD.

PINDI BAHA-UD-DIN. (PUNJAB.)

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما:

تائمز انف لندن کا ادبي ضمیمه

یه ضمیمه دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور وقیع تبصره کرتا هے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم هے

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بهي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا هے -

اپنے یہاں کے ایجنت سے تقاضه کیجئے که وه تائمز لندن کا هفته وار ادبي ضمیمه آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براه راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري هے که

تائمز اف لندن کا تعلیمي ضمیمه مطالعه کرے

اگر آپ چاهتے هیں که فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نه رهیں ' تو آپکو یه ضمیمه بلا ناغه مطالعه میں رکهنا چاهیے -

یه هر هفته اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا هے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنت سے طلب کیجئے -

ورنه

The Publisher.

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں که یورپ اور امریکه کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' هندوستان سے خام پیدا وار بهیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تهوڑي سي محنت اور تهوڑا سا سرمایه لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بهت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بهید سیکهنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکه کے تمام کارخانوں اور کوٹهیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں که بهت تهوڑا سا وقت خرچ کرکے یه ساري باتیں با قاعده علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاهیے که هم سے خط و کتابت کریں - هم یه کام به حیثیت ایک ماهر فن کے کر رهے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا که آپکے مقصد کیلئے هم کس درجه مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوست بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin–W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پهلوں کو محفوظ رکهنے کیلئے ضروري هیں اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یه بہترین کارخانه هے - مندرجۂ بالا پته سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکهیے

میووں ' ترکاریوں اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقه وه هے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور هے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانه سے مل سکتي هیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta.
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.